ماہنامہ جہدِ حق

HRCP

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13

جلد نمبر32... شمارہ نمبر05... مئی2024

ہم ٹھیکیداروں، جاگیرداروں کے مقروض۔۔۔ اور آپ۔۔۔ ہمارے۔

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت		بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

پنجاب میں حقوق کے تحفظ میں اضافہ کیا جائے

وزیراعلیٰ پنجاب مریم نواز شریف کو لکھے گئے خط میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے چیئر پرسن اسد اقبال بٹ نے صوبے میں حقوق کی مسلسل خلاف ورزیوں پر فوری کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔

خواتین، بچوں اور خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد میں کمی کے آثار نظر نہ آنے پر ایچ آر سی پی نے پنجاب کمیشن برائے حقوق نسواں کو مضبوط بنانے، بچوں کے تحفظ کے مزید موثر نظام قائم کرنے اور شادی کی عمر 18 سال تک بڑھانے کے لیے قانون سازی کی سفارش کی ہے۔

2014 کے سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے اور توہین مذہب کے جھوٹے الزامات پر سزا دینے کے لیے اقدامات کر کے مذہبی آزادیوں کو لاحق خطرات سے بھی نمٹا جانا چاہیے۔ غیر محفوظ مزدوروں کے تحفظ کے لیے معائنے، حفاظتی پروٹوکول اور اجرت سے متعلق موجودہ لیبر قوانین اور ضوابط پر عمل درآمد کیا جانا چاہیے۔

اختلاف رائے کو دبانے کے ہتھکنڈے، جیسے کہ من مانے چھاپے اور نظر بندیاں اور آزادی صحافت پر غیر اعلانیہ پابندیاں ختم ہونی چاہئیں۔ خواتین اور دیگر سیاسی قیدیوں کو بھی فوری طور پر رہا کیا جانا چاہیے اور ریاست کو طلبہ یونینوں کی بحالی کے لیے قانون سازی کرنی چاہیے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 04 اپریل 2024]

آزادی صحافت اور میڈیا سے وابستہ افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے اقدامات کیے جائیں: ایچ آر سی پی

آزادی صحافت کے عالمی دن کے موقع پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) ریاست سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ صحافیوں اور میڈیا کے ملازمین کے لیے منصفانہ اور بروقت معاوضے کو یقینی بنائے، ان کو حملوں سے بچانے کے لیے طریق ہائے کار تشکیل دے، اور ان کی غیر قانونی حراست کے ذمہ داروں کو جوابدہ ٹھہرائے، تاکہ اظہار رائے کی آزادی کے حق کا تحفظ کیا جا سکے۔

اگر چہ عالمی آزادی صحافت کے گوشوارے میں پاکستان کی درجہ بندی گزشتہ سال کی نسبت بہتر ہوئی ہے، تاہم صحافی اور میڈیا ملازمین کام کے محدود ماحول اور خود پر عائد کی گئی سنسرشپ کے تیزی سے فروغ پاتے کلچر کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔ مزید برآں، انہیں فرائض کی انجام دہی کے دوران دھمکیاں دی جاتی ہیں، ان پر حملے کیے جاتے ہیں اور انہیں لاپتا کر دیا جاتا ہے۔ سزا سے استثنا سے متعلق تازہ ترین عالمی گوشوارے میں پاکستان ان ممالک میں 11 ویں نمبر پر ہے جہاں صحافیوں کو بلا خوف قتل کیا جاتا ہے اور مجرموں کی کوئی جوابدہی نہیں ہوتی۔ ایچ آر سی پی کو یہ جان کر بھی تشویش ہے کہ ممتاز صحافی حامد میر کو حال ہی میں آزادانہ تقریر کی حمایت کرنے پر جان سے مارنے کی دھمکیاں موصول ہوئی ہیں اور ریاست اور قانون نافذ کرنے والے اداروں نے مجرموں کو جوابدہ ٹھہرانے کے لیے کوئی کارروائی نہیں کی۔

اس طرح کے جابرانہ اور گھناؤنے ہتھکنڈوں کا سلسلہ رکنا چاہئے۔ آزادی صحافت جو ریاست کا چوتھا ستون سمجھی جاتی ہے، صحت مند جمہوریت کے استحکام کے لیے ناگزیر ہے۔ ریاست کو آزادی صحافت کے تحفظ کے لیے اپنی وابستگی ظاہر کرنی چاہیے، اور تمام صحافیوں اور میڈیا ملازمین، خاص طور پر اختلاف رائے رکھنے والے افراد کے زندگی، ملازمت کے تحفظ، آزادی اظہار رائے اور منصفانہ اجرت کے حقوق کو یقینی بنانا چاہیے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 03 مئی 2024]

فہرست

محنت کشوں کے عالمی دن کے موقع پر تقاریب کا اہتمام

محنت کشوں کے عالمی دن کے موقع پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے کارکنوں، ترقی پسند سیاسی جماعتوں، محنت کش تنظیموں کے رہنماؤں اور انسانی حقوق کے سرگرم کارکنان نے ملک کے مختلف حصوں میں پرامن احتجاجی مظاہروں، ریلیوں اور دیگر تقاریب کا اہتمام کیا جن کی مختصر روداد ذیل میں بیان ہے

سانگھڑ یوم مئی کے عالمی دن کی مناسبت سے عوامی ورکرز پارٹی سانگھڑ کی جانب سے ایک ریلی نکالی گئی۔ مزدور ریلی دلبر چوک سے شروع ہوئی اور شہر کے مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی پریس کلب سانگھڑ پہنچی۔ ریلی میں عوامی ورکرز پارٹی کے کارکنوں، سیاسی و سماجی رہنماؤں، کسانوں اور مزدور طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد نے شرکت کی۔ پریس کلب کے سامنے ریلی سے خطاب کرتے ہوئے عوامی ورکرز پارٹی کے رہنماؤں میر حسن سریوال، قیوم لانڈر، خلیل بلوچ، سعید بگٹی، میر حسن مری، بخش منگریو، لالا قادر سریوال، عظیم رونجھو، اعجاز شاہ، محترمہ سلمہ قریشی اور دیگر نے کہا کہ آج دنیا بھر میں شکاگو کے شہیدوں کا دن منایا جا رہا ہے مگر افسوس جن مزدوروں کے لیے شکاگو کے شہیدوں نے جہدوجہد کی وہ آج بھی پاکستان میں بنیادی سہولیات اور حقوق سے محروم ہیں۔ ہمارے ملک میں مہنگائی عروج پر ہے اور روزگار کے مواقع بہت کم ہیں جبکہ اگر مزدوری ملتی بھی ہے تو مناسب اجرت نہیں ملتی جس کی وجہ سے مزدور طبقہ شدید پریشانیوں سے دوچار ہے۔

(ابراہیم خلجی)

شہید بے نظیر آباد مزدوروں کے عالمی دن کے حوالے سے شہید بے نظیر آباد کی سول سوسائٹی کی جانب سے اللہ والا چوک سے پریس کلب تک ریلی منعقد کی گئی جس سے خطاب کرتے ہوئے ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن کے صدر محمد اکرم خاصخیلی نے کہا کہ مزدوروں کے عالمی دن شکاگو کے شہید مزدوروں کو سرخ سلام پیش کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سندھ میں کسانوں اور مزدوروں کی حالت کو بہتر بنانے کیلیے ریاست اپنا کردار ادا کرے اور سندھ ٹیننسی ایکٹ کے مطابق ہاریوں اور مزدوروں کے حقوق دیے جائیں۔ مقررین نے کہا کہ مزدوروں کی اجرت ماہانہ 32 ہزار روپے مقرر ہے مگر اس کے باوجود بھی انہیں ماہانہ نو ہزار روپے سے زیادہ نہیں ملتا۔ مقررین نے مزید کہا کہ کسانوں اور مزدوروں کے بچے مناسب خوراک، صحت و تعلیم سے محرومی کا شکار ہیں۔ ریاست اس ضمن میں اپنا موثر کردار ادا کرے۔ اس موقع پر ذوالفقار علی، آصف البشر خان، علی رستمانی، فدا حسین بلوچ، یاسین خاصخیلی، معشوق علی، شہزاد علی، عابد لاشاری، لال چند اور دیگر نے بھی خطاب کیا۔

(آصف البشر خان)

ٹنڈو محمد خان محنت کشوں کے عالمی دن یوم مئی کے حوالے سے شکاگو کے شہیدوں کی قربانیوں کو خراج تحسین پیش کرنے اور مقامی محنت کش طبقے سے اظہار یکجہتی کے لیے ٹنڈو محمد خان میں ریڈورکرز فرنٹ، آل پلیدار یونین اور پیپلز لیبر بیورو کی جانب سے الگ الگ ریلیوں کا انعقاد کیا گیا۔ آل پلیدار یونین کے جنرل سیکریٹری رمضان ملاح، میونسپل کمیٹی کے لیبر کاؤنسلر جمن کیہر، سکندر بھٹی، لالا حسن پٹھان اور دیگر کی قیادت میں ریلوے اسٹیشن سے پریس کلب تک ریلیاں نکال کر شکاگو کے محنت کشوں کی قربانیوں کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ محنت کشوں نے مطالبہ کیا ہے کہ مزدوروں کی اجرت مہنگائی کے تناسب سے بڑھائی جائے تاکہ ملک کی ترقی کے لیے خون پسینہ بہانے والے مزدور کا بچہ دو وقت کی روٹی کھا سکے۔

(رمضان شورو)

حیدرآباد پاکستان ھائیڈرو الیکٹرک ورکر یونین کی جانب سے لیبر ہال سے پریس کلب حیدرآباد تک یوم مزدور کے حوالے سے ایک ریلی نکالی گئی۔ ریلی کی قیادت یونین کے سربراہ عبداللطیف نظامانی نے کی۔ ریلی سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ واپڈا ملک کا وہ منافع بخش ادارہ ہے جس نے ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ درست منصوبہ بندی سے ملک سے لوڈشیڈنگ ختم ہوسکتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ واپڈا کی نجکاری مسئلے کا حل نہیں۔ حکومت عوام کو سستی بجلی میسر کرے اور بلوں میں لگائے جانے والے ناجائز ٹیکس ختم کر کے واپڈا ملازمین اور عوام کے بیچ پیدا کی گئی نفرت ختم کی جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک مزدور کی اجرت اتنی ضرور ہونی چاہیے جس سے اس کا گزارا ہو سکے۔ ان کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ واپڈا کے ملازمین کی تنخواہیں بڑھائی جائیں اور انہیں درپیش مسائل حل کیے جائیں۔

(یعقوب لطیف سومرو)

چمن شمشاد رائٹرز فورم پاکستان اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے اشتراک سے یوم مزدور کے موقع پر ایک اجلاس کا انعقاد کیا گیا۔ شمشاد رائٹرز فورم پاکستان کے مرکزی صدر حافظ محمد صدیق مدنی، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے فرید نثار ایڈووکیٹ، امن فاؤنڈیشن چمن کے صدر عبیداللہ خان کاکوزئی، شفیع اللہ کاکڑ اور عبدالمنان اچکزئی نے مزدوروں اور محنت کشوں کے عالمی دن کی مناسبت سے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یکم مئی دنیا بھر کے مزدوروں اور مزدوروں کے کلینڈر میں ایک اہم دن ہے۔ مزدوروں کا عالمی دن، جسے یوم مزدور یا یوم مئی بھی کہا جاتا ہے، بہت سے ممالک میں عام تعطیل ہے، جو محنت کش طبقے کی جدوجہد، کامیابیوں اور قربانیوں کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ یہ دن اُن محنت کشوں کے پائیدار جذبے کا منہ بولتا ثبوت ہے جنہوں نے اپنے حقوق، منصفانہ اجرت اور کام کے بہتر حالات کے لیے انتھک جدوجہد کی ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ 1886 میں، مزدور یونینوں اور مزدوروں کی تنظیموں نے آٹھ گھنٹے کام کے دن، بہتر اجرت، اور کام کے حالات میں بہتری کے مطالبے کے لیے ملک گیر ہڑتال کی۔

انہوں نے کہ 1889 میں پیرس میں بین الاقوامی سوشلسٹ کانفرنس نے یکم مئی کو عالمی یوم مزدور کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔ تب سے، یہ دن دنیا بھر میں مزدوروں، مزدور یونینوں اور سوشلسٹوں کے لیے ایک ریلینگ پوائنٹ بن گیا ہے

اجلاس کے آخر میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے کارکنوں کی جانب سے انسانی حقوق کے عالمی منشور کے کاپیاں بھی تقسیم کردی گئی۔

(محمد صدیق)

نوشکی مزدوروں کے عالمی دن کے مناسبت سے نوشکی میں مختلف ٹریڈ یونینوں کے جانب سے ریلیوں اور پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے زیراہتمام اریگیشن آفس سے ضلعی صدر احمد جان بلوچ کی قیادت میں ریلی نکالی گئی جس میں مختلف مزدور یونینوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ احمد جان بلوچ نیشنل پروگرام کے رہنما رازق زہری، سینئر صحافی سعید بلوچ، میونسپل کمیٹی یونین کے صدر ثناء اللہ بادینی، اسکیپ کے صدر محمد یوسف بلوچ، رخشان فورم کے چیئرمین کامریڈ جمیل بلوچ، عبدالسلام، نجیب اللہ اور سعید احمد نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے شہدائے شگاگو کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ شہدائے شگاگو کی قربانیوں کی بدولت مزدور 8 گھنٹے کام کرتے ہیں۔ ملک کی ترقی اور خوشحالی میں مزدور ریڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مزدوروں کی محنت سے معاشی خوشحالی آتی ہے لیکن حکمرانوں اور حکومتی عدم توجہی کے باعث 21ویں صدی میں بھی مزدور مسائل مشکلات اور پریشانیوں سے دوچار ہیں۔ مقررین نے کہا کہ مزدور اپنے حقوق کے لیے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر جدوجہد کریں کیونکہ آئی ایم ایف کے مزدور کش پروگرام سے وہ مزید مشکلات سے دوچار ہوں گے۔ مقررین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ یکم مئی کو دیہاڑی دار مزدوروں کو ایک دن کی اجرت دیں تاکہ مزدور بھی یوم مزدور کی تقریبات میں شرکت کرسکیں۔ مہنگائی کے تناسب سے مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے، مزدوروں کو علاج معالجہ اور تعلیم کے حصول کا موقع دیا جائے۔

(محمد سعید)

حاصل پور، پنجاب میں ایک احمدی کا عقیدے کی بنیاد پر قتل

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ (اپریل 2024)

وہ مقام جہاں سے مقتول کی لاش برآمد ہوئی

تعارف

4 مارچ 2024 کو ضلع بہاولپور کی تحصیل حاصل پور میں دو نامعلوم حملہ آوروں نے احمدی برادری سے تعلق رکھنے والے 54 سالہ طاہر اقبال کو گولیاں مار کر قتل کر دیا۔ ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر (ڈی پی او) کے اس دعوے کی بنیاد پر پریس میں واقعے کو 'عزت کے نام پر قتل' قرار دیا گیا کہ مقتول زمیندار نے ایک عورت کے ساتھ مراسم قائم کر رکھے تھے جس پر عورت کے رشتہ داران سے نالاں تھے۔

پاکستان میں عقیدے کی بنیاد پر تشدد کا نشانہ بننے والی مظلوم احمدی برادری کی صورتِ حال کو مدِنظر رکھتے ہوئے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اس دعوے کی صداقت جاننے کے لیے تحقیقات کرنا ضروری سمجھا۔ ملتان میں ایچ آر سی پی کے ریجنل دفتر نے 11 مارچ 2024 کو حاصل پور میں ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن کا اہتمام کیا۔ مشن نذیر احمد، خواجہ اسد اللہ (ایچ آر سی پی رکن)، فیصل محمود (سٹاف ممبر)، اور لبنیٰ ندیم (ایچ آر سی پی کونسل ممبر) پر مشتمل تھا۔ مشن کے مقاصد درج ذیل تھے:

1۔ قتل کے ممکنہ محرکات معلوم کرنا اور
2۔ اصل حقائق کا تعین

> **احمدیوں کی مقامی جائے عبادت پر درس و تدریس سے وابستہ اشرف رحمان* نے احمدی برادری کے خلاف بڑھتی ہوئی مخالفت پر اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ انہوں نے قرب جوار کے علاقوں میں احمدی جائے عبادات پر حملوں کی کئی مثالوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے مشن کو بتایا کہ خاص طور پر ایک مذہبی رہنماء مولوی رزاق نامی کی حال ہی میں نفرت انگیز تقریر نے گاؤں میں احمدی مخالف جذبات کو پروان چڑھایا ہے اور دونوں برادریوں میں تعلقات میں تلخی پیدا ہوئی ہے۔ رحمان نے بتایا کہ بہاولپور پولیس کو مولوی کی اشتعال انگیز تقریر اور لوگوں کو احمدی مخالف تشدد پر اکسانے کی شکایت کی گئی مگر مولوی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔**

وقوعے کی رپورٹ

4 مارچ 2024 کو صبح کے لگ بھگ ساڑھے چھ بجے ضلع بہاولپور، تحصیل حاصل پور کے چک نمبر 84 کے رہائشی طاہر اقبال کو صبح کی چہل قدمی کے دوران دو نامعلوم موٹر سائیکل سوار حملہ آوروں نے گولیاں مار کر قتل کر دیا۔ تنویر شاہد* نے ان کے گھر سے کچھ فاصلے پر ان کی لاش دیکھی جو اُس وقت اپنے بچوں کو اسکول چھوڑنے جا رہے تھے۔ مقتول کے کزن فاروق خان* کو صبح سات بجے کے قریب واقعے کی رپورٹ ملی۔ جائے وقوعے پر پہنچنے پر انہوں نے اقبال کی لاش دیکھی جن کی گردن پر گولیوں کے نشان نظر آ رہے تھے۔ ایک اور مقامی شخص محسن* (جنہیں بعد میں بطور گواہ طلب کیا گیا تھا) بھی واقعے کی اطلاع سن کر جائے وقوعے پر پہنچے اور مقامی حکام کو مطلع کیا۔ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے تحصیل ہیڈ کوارٹر اسپتال حاصل پور منتقل کیا گیا۔

اس دوران پولیس نے جائے وقوعہ سے شواہد اکٹھا کیے جن میں زمین پر خون کے نشانات، گولیوں کے خول، اور نزدیکی دکانوں سے سی سی ٹی وی کی تصاویر تھیں جن سے معلوم ہوا کہ حملہ آور کس طرف فرار ہوئے تھے۔ بعد میں ہونے والی تحقیقات کے نتیجے میں فاروق خان کی مدعیت میں نامعلوم لوگوں کے خلاف مقدمہ (مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعات 302/34 کے تحت ایف آئی آر نمبر 143/23) درج ہوا۔

بعدازاں، ڈی پی او بہاولپور سید محمد عباس نے ایک تحقیقاتی ٹیم تشکیل دی، اور تحقیقات سے حاصل ہونے والے نتائج کی بنیاد پر 13 مارچ 2024 کو دو مقامی نوجوانوں عدیل عظیم، اور زین ارشاد کو گرفتار کیا گیا۔

مشن کے نتائج

مقامی برادری کے لوگوں سے ملاقاتیں

مدعی مقدمہ فاروق خان* نے ٹیم کو بتایا کہ چک نمبر 84 میں لگ بھگ 200 گھرانے آباد ہیں جن میں سے 10 گھرانے احمدی برادری کے ہیں جو سات مربع میٹر اراضی پر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ یہ اراضی ان کے اجداد کو الاٹ ہوئی تھی۔ کئی برسوں سے اپنے ہمسائیوں کے ساتھ پرامن رہنے کے باوجود، حالیہ واقعات سے برادری میں خوف اور غیر یقینی کا احساس پیدا ہوا ہے۔

احمدیوں کی مقامی جائے عبادت پر درس و تدریس سے وابستہ اشرف رحمان* نے احمدی برادری کے خلاف بڑھتی ہوئی مخالفت پر اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ انہوں نے قرب جوار کے علاقوں میں احمدی جائے عبادات پر حملوں کی کئی مثالوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے مشن کو بتایا کہ خاص طور پر مولوی

رزاق نامی مذہبی رہنماء کی حال ہی میں نفرت انگیز تقریر نے گاؤں میں احمدی مخالف جذبات کو پروان چڑھایا ہے ور دونوں برادریوں میں تعلقات میں تلخی پیدا ہوئی ہے۔ رحمان نے بتایا کہ بہاولپور پولیس کو مولوی کی اشتعال انگیز تقریر اور عوام کو احمدی مخالف تشدد پر اکسانے کی شکایت کی گئی مگر مولوی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ مشن کو یہ جان کر بھی افسوس ہوا کہ تحقیقات پر ہونے والی پیش رفت کے متعلق پوچھنے پر، اطلاعات کے مطابق، اسٹیشن ہاؤس آفیس (ایس ایچ او) نے احمدی برادری کو کہا کہ اقبال کے قتل کو مذہب سے نہ جوڑیں کیونکہ اس سے تحقیقات متاثر ہوں گی۔

بہاولپور میں جماعت احمدیہ کے صدر رضا سہیل* نے مشن کو بتایا کہ ڈی پی او نے انہیں یقین دہائی کروائی تھی کہ تحقیقاتی ٹیم قتل کے مذہبی محرکات کی چھان بین کرے گی، مگر افسوس کا اظہار کیا کہ مولوی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

احمدی برادری کے مذہبی رہنماء وقار حیدر* نے دعویٰ کیا کہ انتہائی دائیں بازو کی سیاسی جماعت تحریکِ لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) پچھلے تین مہینوں میں بہاولپور میں اجلاس منعقد کر رہی تھی جن میں مقررین احمدی برادری کے خلاف اشتعال کا پرچار کرتے ہیں اور لوگوں کو کہتے تھے کہ احمدیوں پر حملے فرض ہیں۔ ان اجتماعات پر پولیس کی موجودگی کے باوجود نفرت انگیز بیان بازی کے خلاف کچھ نہ کیا گیا۔ حیدر کا کہنا تھا کہ احمدی اس معاندانہ ماحول میں اپنے گھروں میں محصور ہو گئے ہیں اور سورج غروب ہونے کے بعد باہر نکلنے سے ڈرتے ہیں۔ اس کے باوجود اپنے اجداد کی زمینوں سے تعلق کی وجہ سے وہ علاقہ چھوڑنے سے گریزاں ہیں۔ حیدر کا کہنا تھا کہ طاہر اقبال کے قتل کی وجہ واضح طور پر مولوی رزاق کی اشتعال انگیز تقریر تھی۔

اہلِ سنت سے منسلک جمال احمد* جن کے مقتول کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے، نے ایچ آر سی پی کو بتایا کہ جماعت احمدیہ کے ساتھ مقامی لوگوں کے رویے میں تبدیلی کا مشاہدہ انہوں نے بھی کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حالیہ دھڑے بندیوں اور کشیدگیوں سے پہلے، جن کا بنیادی سبب مولوی رزاق کے خطبے ہیں، مقامی لوگ اتنے پیار محبت سے رہ رہے تھے کہ مقامی قبرستان کا نصف حصہ احمدی برادری کو الاٹ کر دیا گیا جبکہ نصف باقی لوگوں کو جس سے معاشرے میں اتحاد کی فضا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

طاہر اقبال کے قتل کے بعد، مقامی نمبردار (گاؤں کا مالیہ وصول کرنے والا اہلکار) اعجاز سلمان* نے لوگوں کو ان واقعات کے خلاف متحد ہونے کی اپیل کی اور تسلیم کیا کہ احمدی برادری اور دیگر مقامی لوگ کئی عشروں سے

مقتول کے اہل خانہ سے ملاقات

پرامن طریقے سے رہ رہے تھے۔

قانون نافذ کرنے والے حکام سے ملاقات

جائے وقوعہ کا دورہ کرنے کے بعد، ایچ آر سی پی کی ٹیم ایس ایچ او اور تحقیقاتی آفیسر سے ملاقات کرنے کے لیے صدر پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئی۔ تاہم، دونوں دیگر امور نمٹانے میں مصروفیت کے باعث انٹرویو کے لیے دستیاب نہیں تھے۔ بعدازاں، ٹیم نے ڈی پی او بہاولپور سے ملاقات کی کوشش کی مگر ٹیم کو بتایا گیا کہ وہ دستیاب نہیں۔ ڈی پی او کے پی آر او محمد عمر نے ایچ آر سی پی کو بتایا کہ ڈی پی او نے ایس پی تحقیقات سے رپورٹ مانگی ہے جو اگلے دن مشن کو فراہم کر دی جائے گی۔

14 مارچ کو مشن نے بالآخر ڈی پی او بہاولپور سے بات چیت کی جن کا کہنا تھا کہ دو نوجوانوں عدیل عظیم اور زین ارشاد کو قتل کے الزامات پر گرفتار کیا گیا ہے اور انہوں نے مبینہ طور پر طاہر اقبال کے قتل کا اعتراف کر لیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں، بقول مولوی رزاق کے فتویٰ (اسلامی قانونی فیصلہ یا اعلان) کے، کسی احمدی کا قتل 'جنت جانے کا شاٹ کٹ' ہے۔

مشن کے مشاہدات اور سفارشات

مشن کو یہ جان کر افسوس ہوا کہ ایس ایچ او نے مقتول کے ورثا کو مشورہ دیا کہ وہ ان کے قتل کو عقیدے کی بنیاد پر تشدد کا واقعہ قرار نہ دیں۔ حالات کو مدِنظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ پولیس کو بالکل شروع میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے تھا خاص طور اس صورت میں جب ان کے گرفتار کیے گئے دو افراد نے اعتراف کر لیا ہے کہ انہوں نے یہ قتل عقیدے کی بنیاد پر کیا تھا۔

مشن کے مشاہدے میں آیا کہ مولوی رزاق کی نفرت انگیز تقاریر نے مقامی لوگوں کے دلوں میں احمدی برادری کے خلاف نفرت میں اضافہ کیا ہو گا۔ مولوی رزاق کے خلاف کارروائی کرنے میں حکام کی ناکامی بھی پریشانی کا سبب ہے۔ حالانکہ پولیس ان اجتماعات میں موجود تھی اور احمدی برادری نے یہ معاملہ پولیس کے نوٹس میں بھی لایا تھا۔

ان نتائج کی بنیاد پر مشن نے درج ذیل سفارشات پیش کی ہیں:

1۔ طاہر اقبال کے قتل کی شفاف و آزادانہ تحقیقات کی جائیں، اور استغاثہ کو فارنزک شواہد فراہم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے تا کہ ملزمان کے خلاف ٹھوس کارروائی یقینی ہو سکے۔

2۔ پولیس کو قانون کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے یقینی بنانا ہوگا کہ عقیدے کی بنیاد پر تشدد کرنے والے لوگ قانون کی گرفت سے بچ نہ پائیں۔

3۔ حکام احمدی برادری کے خلاف تشدد اور نفرت پھیلانے والے لوگوں کے خلاف فوری طور پر فیصلہ کن کارروائی کریں۔ وہ مستقبل میں ایسے اجتماعات پر نظر رکھیں اور جہاں ضروری ہو فوری کارروائی کریں۔

4۔ امتیازی سلوک یا تشدد کا نشانہ بننے والے احمدیوں کی سماجی، قانونی اور اخلاقی مدد کے لیے حکام کوئی ٹھوس طریقہ کار وضع کریں۔

رازداری کو یقینی بنانے کے لیے نام تبدیل کیے گئے ہیں۔

بے گھر بچوں کا عالمی دن اور اس کے قومی تقاضے

مدثر احمد طاہر

12 اپریل کو ہر سال بے گھر بچوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ یہ دن بے گھر اور گلی کوچوں میں رہنے والے بچوں کے لیے آواز بلند کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے تا کہ ان بچوں کے حقوق کو نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ ان بچوں کو مکمل طور پر معاشرے میں محفوظ و عزت والا مقام حاصل ہو سکے اور ان بچوں کو بھی دوسرے بچوں کی طرح تمام حقوق میسر ہو سکیں۔ ایسے بچوں کی حفاظت و حقوق کا خیال رکھنے کی ذمہ داری ریاست کی ہے اور ہر حکومت وقت کو بھی ان بے گھر بچوں کو چھت فراہم کرنے کی اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔

بے گھر بچوں سے مراد وہ بچے جو زیادہ تر وقت اکیلے، یا دیگر بچوں کے ساتھ یا ان کے خاندان کے افراد کے ہمراہ گلی کوچوں میں بسر کرتے ہیں یا کام کرتے ہیں۔ ایسے تمام وہ بچے جو زیادہ وقت گلی کوچوں میں گزارتے ہیں بے گھر بچے کہلاتے ہیں۔ عالمی معاہدہ کنونشن برائے حقوق اطفال کی پاکستان نے 12 نومبر 1990 کو توثیق کی تھی۔ اس کے بعد پاکستان کی بچوں کے حوالے سے ذمہ داریاں بڑھ گئیں تھیں اور بچوں کے کنونشن پر عملدرآمد بھی لازم قرار پایا تھا۔ اس کنونشن کی کی توثیق کو تینتیس سال ہو چکے ہیں۔ آج پاکستان میں بچوں کے بنیادی حقوق کی آج کے حالات کی بات کریں تو پاکستان کا شمار ایسے ممالک میں ہوتا ہے جہاں بچوں کو بطورِ انسان اور بچہ ہونے کے بنیادی حقوق تک میسر نہیں ہے۔ The Kids Rights Index 2022 کی رپورٹ کے مطابق 185 ممالک میں سے پاکستان 149 نمبر پر ہے جہاں بچوں کے حقوق حاصل ہے۔

پاکستان میں بچے بنیادی تعلیم سے محروم ہیں۔ پاکستان میں بچوں کو سماجی اور ثقافتی رکاوٹوں کا سامنا ہے، خاص طور پر دیہی علاقوں کے بچے۔ پاکستان میں آئے روز بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کا سلسلہ جاری ہے جو کہ تشویشناک بات ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے قانون موجود ہے لیکن کوئی کارروائی نہیں ہوتی اور ملزم و مجرم کیفر کردار تک نہیں پہنچتے جس بنا پر جنسی جرائم کرنے والوں کے حوصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پولیس سمیت عدلیہ کو سیاسی و مذہبی دباؤ سے آزاد کرایا جائے تا کہ مجرموں کو سزائیں مل سکیں۔

اگر عام تعلیم کی بات کی جائے تو دنیا میں اس وقت کی اسکولوں سے باہر بچوں سے تعداد میں پاکستان دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ یونیسف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 22.8 ملین بچے جن کی عمر 5 سے 16 سال ہے وہ اسکولوں سے باہر ہیں اور یہ پاکستان کی بچوں کی آبادی کا 44 فیصد ہے۔ قومی کمیشن برائے حقوق اطفال کی رپورٹ 2022 کے مطابق 1.5 ملین بچے بے گھر ہیں اور گلیوں کوچوں میں رہنے پر مجبور ہیں اور مکمل طور پر غیر محفوظ ہیں اور ایسے بچوں کو معاشرے کی طرف سے ہر طرح سے ہراساں کیا جاتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ 22.8 ملین بچے سکولوں سے باہر اور گلی کوچوں میں رہنے والے بچے 1.5 ملین ہیں اگر فرق نکالیں تو 21.3 ملین بچے کہاں ہیں؟ اگر یہ بچے سکولوں میں بھی نہیں، گلی کوچوں میں بھی نہیں ہے تو پھر کہاں ہیں 7.3 ملین بچے؟ یہ فرق بہت بڑا فرق ہے میرے مطابق پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 25-A کے مطابق ہر بچے کو تعلیم دلوانا حکومتِ پاکستان کی ذمہ داری ہے تو پھر جو بچہ سکول نہیں جاتا تو پھر وہ سڑک سے منسلک بچوں میں شامل ہوگا۔

بے گھر اور گلی کوچوں میں رہنے والے بچوں کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا۔ ایسے بچے بنیادی ضروریات سے مرحوم ہوتے ہیں جیسے کہ ان کے پاس پہننے کے لیے صاف کپڑے نہیں ہوتے، جسمانی صفائی نہیں ہوتی، کھانے کی لیے بنیادی خوراک نہیں ہوتی جس سے جسمانی صحت بھی خراب ہوتی تو یہ بچے معاشرے میں بالکل الگ نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایسے بے گھر اور گلی کوچوں میں رہنے والے بچوں کو معاشرہ دھتکارتا ہے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ بچے بھیگ مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں یا پھر گلی محلوں میں دوکانوں پر کام کرنے پر مجبور۔ ان بچوں کے رویوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جب یہ بچے معاشرے میں کام کرتے ہیں تو اپنے والدین سے لے کر کام کرنے والے استاد یا مالک حضرات سے بہت سخت رویہ برداشت کرتے ہیں۔ سماجی اور اخلاقی طور پر مکمل طور پر ایسے بچوں کو ہراساں کیا جاتا ہے جسمانی مار اور جنسی زیادتی کے شکار بھی ہوتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں لوگ بے گھر اور گلی کوچوں میں رہنے والے بچوں کو انسان کی حیثیت سے بھی نہیں دیکھتے۔

ہمارے معاشرے کے لوگوں نے ایسے بچوں کا بہت زیادہ استحصال کیا ہے اور بدقسمتی سے یہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ایسے بچوں کو رحم یا مدد یا خیرات کی بجائے معاشرے کے دیگر بچوں جیسے حقوق حاصل ہونے چاہیے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کے حقوق ان کو دلائے نہ کہ یہ بات کریں کہ انہیں بچے بے گھر یا گلی کوچوں میں نہیں رہنا چاہیے۔ ہمارے معاشرے کو گلی کوچوں میں زندگی بسر کرنے والے بچوں کو بھی ہراساں نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے حقوق اور ان کی عزت و تکریم کا خیال رکھنا چاہے اور انھیں بھی انسان کی نظر سے دیکھنا چاہیے اور ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ایسے بچوں کی زندگی اور حق کی بقا کے لیے اقدامات کرے۔ ایسے بچوں کو بھی پہچان حاصل ہونے کا حق دینا چاہے، بے گھر بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کا بھی مکمل حق حاصل ہونا چاہے اور معاشرے میں ہر قسم کے تشدد سے محفوظ ماحول فراہم ہونا چاہے ان کو شمولیت کا حق حاصل ہونا چاہے تا کہ جو فیصلہ سازی ان کے لیے ہو تو ان میں شمولیت لازمی ہونی چاہیے اسی طرح ان کو رنگ و نسل و مذہب کی تفریق سے بالاتر ہو کر دیکھنا چاہیے۔ ایسے بچوں کو کھیل کود کی بھی مکمل آزادی حاصل ہونے چاہیے۔ یہ بچے بھی ہمارے معاشرے کے بچے ہیں ان کو احساسِ کمتری سے نکالنا ہوگا۔ یہ یہ بے گھر اور گلی کوچوں میں زندگی بسر کرنے والے بچے بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہے ہمیں ان کو اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔ یہ تب ہی ممکن ہوگا جب ریاست اور معاشرے کے لوگ مل کر اقدامات کریں۔

رحمٰن اینڈ رحمٰن: دھوپ کا ٹکڑا اور بادل کی چھاؤں

وجاہت مسعود

شہر تو سب پیارے ہوتے ہیں، زمین کو آسمان سے ملاتی ہوئی لکیر پر اونچی نیچی مانوس عمارتیں، کہیں برسوں سے خاموش کھڑے پیڑ جن کے نیچے کسی تیز رفتار فلم کے منظر کی طرح بے نیازی سے گزرتے چہرے۔ کہیں ٹھنڈے پانی کے شفاف دھارے، کہیں وسیع شاہراہیں، کہیں بل کھاتی گلیاں، آوازوں سے گونجتے گلیارے، بازاروں میں لین دین کی فکر میں غرق دکاندار۔ مٹی سے پیالے صراحیاں، لکڑی سے سامان راحت اور لوہے سے کارآمد اوزار تراشتے اہلِ حرفہ، چھوٹی چھوٹی اینٹوں والے رازدار مکان، کھلکھلاتے معصوم بچے اور دروازوں کے پار خواب اور کاہش کے درمیان ادھ کھلی آنکھیں۔ مگر شہر کیا خشت و سنگ کے ان ٹکڑوں ہی سے ترتیب پاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ہر شہر ان چند صاحبان دانش، شہرت سے بے نیاز، فکر فردا میں محو، مشق ہنر سے تراشیدہ، خاک نشین کے دکھوں کا بار اٹھانے والے، خواب فردا کی صورت گری کرنے والے اور آمدہ خوشیوں کے خد و خال کی فکر کرنے والے زمین کے ان بیٹے بیٹیوں سے پہچان پاتے ہیں جن کی مہلت عمر سانس کے تاوان کی ادائی میں گزر جاتی ہے۔ دو ہزار برس پہلے اہلِ زمین کے لئے جان دینے والے مرد مجرد نے پہاڑی کے وعظ میں ان گہر و جواہر کو زمین کے نمک سے تعبیر کیا تھا اس کے لئے شرط یہ رکھی تھی کہ اس مقام ارفع پر پہنچنے کے لئے اہل اختیار سے کنی کاٹ کے گزرنا ہو گا نیز ہجوم کم شعور کا دشنام سہنا ہو گا۔

آج 12 اپریل ہے۔ تین برس پہلے 2021 میں آج کے دن آئی اے رحمٰن ہم سے رخصت ہو گئے تھے۔ اور ٹھیک نوے برس پہلے آج ہی کے دن محمد سلیم الرحمٰن نے سہارن پور کے قصبے میں آنکھ کھولی تھی۔ سو آج کچھ ذکر آئی اے رحمٰن کا ہو گا اور عقیدت کے کچھ پھول محمد سلیم الرحمٰن کے قدموں پر دان کیے جائیں گے۔ آئی اے رحمٰن کی کیا پوچھتے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں بڑے بڑے سوجھوان گزرے ہیں لیکن علم، سیاسی شعور، معاملہ فہمی، توازن فکر، استقامت عمل، فکری دیانت اور خود نمائی سے گریز کرتے ہوئے ریاستی بیانیے سے مدلل اختلاف کا ایسا نمونہ کم از کم ہم نے نہیں دیکھا۔ آئی اے رحمٰن بیک وقت دانشور، صحافی، تنظیمی مہارت اور عوامی رہنما ہوتے ہوئے بلند آہنگ ہوئے بغیر احتیاط سے تراشی ہوئی دلیل کی مدد سے میدان جیت لیا کرتے تھے۔ پیرانہ سالی میں ان کی قابلِ رشک جسمانی توانائی کا سرچشمہ ان کا کمزوروں، عورتوں، اقلیتوں، محنت کشوں کے لئے فراواں جذبہ تھا۔ بظاہر ان کی وارفتہ طبع سے اس آگ کا اندازہ کرنا مشکل تھا جو ان کے دل میں فروزاں تھی۔ پاکستان میں جمہوریت، آزادی اظہار، امن اور انسانی حقوق کا بیانیہ مرتب کرنے میں آئی اے رحمٰن کو صف اول کا مجاہد کہنا ان کے مقام سے فروتر ہو گا۔ وہ قافلہ درد کے سالار تھے اور تلقین کی بجائے اپنے عمل سے پیش قدمی کا درس دیتے تھے۔ 11 فروری 2018 کو عاصمہ جہانگیر کی اچانک رحلت ہمارے دیس میں انسانی حقوق کا ناقابل تلافی نقصان تھا مگر تین برس بعد آئی اے رحمٰن کے رخصت ہونے سے اس ملک میں متبادل آوازوں کا رزق اٹھ گیا۔ معروف کینیڈین مصنف Malcolm Gladwell نے کہیں لکھا ہے کہ معاشرہ اس شہری کو بھلا مانس قرار دیتا ہے جو اقتدار، انصاف اور اختیار کے سرچشموں پر تنقید سے گریز کرے۔ اس اجتماعی دباؤ کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ انحرافی آواز کے جائز احتجاج کو کند کر دیا جائے۔ آئی اے رحمٰن کا کمال یہ تھا کہ وہ شرافت نفسی کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہوتے ہوئے بھی اپنے جائز غصے اور حق انحراف سے کبھی دستبردار نہیں ہوئے۔

محمد سلیم الرحمٰن 12 اپریل 1934 کو سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ میں تعلیم پائی لیکن کسی رسمی سند کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کبھی باقاعدہ ملازمت بھی اختیار نہیں کی۔ ازدواج کا جھنجھٹ بھی نہیں پالا۔ 1952 میں پاکستان آنے کے بعد خود کو علم و ادب کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ ہومر کی Odyssey کو ’جہاں گرد کی واپسی‘ کے عنوان سے ترجمہ کیا تھا۔ 1956 میں شائع ہونے والی اس کتاب نے اردو میں ترجمے کے فن کو نئی بلندیوں سے ہم کنار کیا۔ جدید اردو شاعری میں نئی حسیت کی تشکیل میں محمد سلیم الرحمٰن کا بڑا حصہ ہے۔ عالمی ادب کے درجن بھر سے زیادہ شاہکار ترجمہ کر چکے ہیں۔ ان کے اپنے افسانوں کی تعداد درجن بھر سے زیادہ نہیں لیکن انہوں نے نعرے کی بجائے عصر حاضر میں انسان کے مقدر کو اپنے شعور کی گہرائیوں میں جذب کر کے اردو فکشن کو Dystopia کا موضوع بخشا ہے۔ برسوں انگریزی اخبارات میں ادبی تنقید لکھی۔ اردو کے معتبر ترین جریدے ’سویرا‘ کے نصف صدی سے مدیر چلے آ رہے ہیں۔ ڈرامہ بھی لکھا۔ محمد سلیم الرحمٰن کے ڈرامے کی امتیازی پہچان یہ ہے کہ اسے پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ڈرامے میں گلے سڑے گارے کی مدد سے کافوری اقدار کی اینٹوں کا ردے پر ردا نہیں جماتے۔ محمد سلیم الرحمٰن اوسط درجے کے شاعروں اور ادیبوں کی طرح ذہنی تشنج کا شکار نہیں ہوتے۔ انہیں نہ صرف اپنی ذات پر اعتماد ہے، اپنے لکھے پر اعتبار ہے بلکہ وہ وجود کی کائناتی تحدیدات کو سمجھتے ہوئے آنے والے زمانوں پر بھی آنکھ رکھتے ہیں۔ شخصی وضع داری کا نشان محمد سلیم الرحمٰن حلقہ احباب کے انتخاب میں بے حد محتاط ہیں۔ ادبی گروہ بندیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ادبی تقریبات میں نظر نہیں آتے۔ پاکستان میں 72 برس لاہور کی ایک نواحی بستی داروغہ والا میں گزار دیے۔ محمد سلیم الرحمٰن کا اہم ترین کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کو پس پردہ رکھتے ہوئے سات دہائیوں تک ایک پوری زبان، تہذیب اور تمدن کی آبیاری کی ہے۔ مشرقی اور مغربی علوم پر یکساں عبور رکھتے ہیں۔ اپنی ذات سے ہم آہنگ رہتے ہوئے اپنے عہد کے ابتذال سے دامن بچائے رکھنا محمد سلیم الرحمٰن کا ایسا کارنامہ ہے جس سے انہیں دنیا کے کونے کونے میں اردو ادب سے تعلق رکھنے والوں سے بے پناہ احترام اور تکریم نصیب ہوا ہے۔ محمد سلیم الرحمٰن کو بڑھتی عمروں کی خوشخبری مبارک ہو۔ آج پاکستان میں اسد محمد خان کے استثنا کے ساتھ کون ایسا ہے جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ کوئی ایسا بھگت سدا ئے۔ (بشکریہ، ہم سب)

المناک روڈ حادثے کے بعد جنم لینے والے سوالات

اسرار الدین اسرار

شاہراہ قراقرم گلگت بلتستان کے باسیوں کے لئے ہمیشہ موت کا کنواں ثابت ہوا ہے۔ گذشتہ کئی دہائیوں میں تواتر سے رونما ہونے والے روڈ حادثات سے لے کر دہشت گردی کے واقعات تک اور قدرتی آفات سے لے کر مسافر بسوں کی لوٹ مار تک اس شاہراہ پر اپنے عزیزوں اور پیاروں کی قیمتی جانیں کھونے والے ہزاروں لوگوں پر اس شاہراہ کا نام سنتے ہی سکتہ طاری ہوجاتا ہے۔

اس روڈ پر رونما ہونے والا ہر حادثہ گلگت بلتستان کے لوگوں کے لئے قیامت خیز ہوتا ہے۔ یہاں کا ہر ذی شعور ہر المناک واقع کے بعد غم زدہ ہوتا، کف افسوس ملتا اور بے بسی کی تصویر بن جاتا ہے۔

یہ سارے واقعات خود بخود رونما نہیں ہوتے بلکہ ان میں قدرت سے زیادہ انسانی کوتاہیوں کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔ سیکورٹی سے لے کر روڈ سیفٹی تک کے تمام معاملات متعلقہ محکموں کی بہتر منصوبہ بندی کا تقاضا کرتے ہیں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ ہر حادثے کے بعد کچھ عرصے تک بالائی حلقوں سے تعزیتی بیانات جاری ہوتے ہیں اس کے بعد ہاتھ پر ہاتھ دھرے اگلے حادثے کا انتظار رہتا ہے۔

حالیہ واقع روڈ حادثہ ہے جس میں بیس سے زائد قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوگئیں اور اتنے ہی مسافر زخمی ہوئے ہیں۔ دیامر کے مقامی لوگوں نے اپنی بہترین روایات کی پاسداری کرتے ہوئے لاشوں اور زخمیوں کو سنبھالا اور ان کے عزیزوں کے حوالے کردیا۔ جس کے لئے وہ تمام رضا کار خراج تحسین کے مستحق ہیں جو ہر واقع کے بعد فوراً جائے حادثہ پہنچ جاتے اور مثالی انسانی خدمت بجالاتے ہیں۔

یہ حادثہ کسی مہذب معاشرے میں رونما ہوتا تو متعلقہ وزیر یا محکمہ کا سربراہ مستعفی ہو جاتا، قوم سے معافی مانگتا، تحقیقات کے بعد کوتاہی کے مرتکب افراد کو قرار واقعی سزا دلانے کا اعلان کرتا لیکن ہمارے ہاں اس کی توقع رکھنا عبث ہے۔ گذشتہ ایک دو سالوں کے عرصے میں گلگت بلتستان میں پچاس سے زائد روڈ حادثات وقوع پذیر ہوئے ہیں جن میں درجنوں انسانی جانیں ضائع ہوئی ہیں۔

مذکورہ حادثے نے ماضی کے حادثات کی طرح کئی سوالات جنم دئے ہیں۔ ان سوالات کا جواب یقیناً کہیں سے نہیں آئیں گے لیکن ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیں گے کہ ایسے سوالات کے جوابات اگر بروقت مل جائیں تو ایسے خوفناک

یہ سارے واقعات خود بخود رونما نہیں ہوتے بلکہ ان میں قدرت سے زیادہ انسانی کوتاہیوں کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔ سیکورٹی سے لے کر روڈ سیفٹی تک کے تمام معاملات متعلقہ محکموں کی بہتر منصوبہ بندی کا تقاضا کرتے ہیں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ ہر حادثے کے بعد کچھ عرصے تک بالائی حلقوں سے تعزیتی بیانات جاری ہوتے ہیں اس کے بعد ہاتھ پر ہاتھ دھرے اگلے حادثے کا انتظار ہوتا ہے۔ حالیہ واقع روڈ حادثہ ہے جس میں بیس سے زائد قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوگئیں اور اتنے ہی مسافر زخمی ہوئے ہیں۔ دیامر کے مقامی لوگوں نے اپنی بہترین روایات کی پاسداری کرتے ہوئے لاشوں اور زخمیوں کو سنبھالا اور ان کے عزیزوں کے حوالے کردیا۔ جس کے لئے وہ تمام رضا کار خراج تحسین کے مستحق ہیں جو ہر واقع کے بعد فوراً جائے حادثہ پہنچ جاتے اور مثالی انسانی خدمت بجالاتے ہیں۔

حادثات میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ اس روڈ پر سفر کے اوقات کون طے کرتا ہے؟

کیا اس روڈ پر رات کے اوقات سفر کرنا مناسب ہے؟

اس روڈ پر سفر کرنے والی بسوں کی فٹنس سرٹیفکیٹ کون جاری کرتا ہے؟

کیا اس بات کی تسلی کی جاتی ہے کہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے بس کا مکمل معائنہ کیا جائے؟

اس طویل اور کٹھن روڈ پر اپنی بسیں چلانی والی کمپنیوں کے لئے کیا ایس او پیز طے کئے گئے ہیں؟

ہر بس میں کتنے ڈرائیورز ہوتے ہیں، کیا ان ڈرائیورز سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ سفر سے پہلے انہیں اپنی نیند پوری کرنے کا موقع ملا تھا یا نہیں؟

کیا ان ڈرائیورز کی تعیناتی سے قبل ان کی جسمانی اور ذہنی صحت کا چیک اپ ہوتا ہے یا ان سے میڈیکل سرٹیفکیٹ طلب کیا جاتا ہے؟

کیا ڈرائیورز کی تنخواہ اتنی ہوتی ہے کہ وہ لگن سے اپنے فرائض سرانجام دے سکے۔

کیا ڈرائیورز کو لیبر قوانین کے مطابق دیگر سہولیات اور مراعات دی جاتی ہیں، جن میں ان کے میڈیکل الاونس، ریسک الاونس، انشورنس وغیرہ شامل ہیں تا کہ ان کے لئے ڈرائیونگ کے سخت اصول طے کئے جاسکیں؟

کیا ڈرائیورز پر نشے کی حالت میں گاڑی چلانے پر پابندی ہے؟

کیا بس پر سامان اور مسافروں کے وزن کی کوئی حد مقرر ہے؟

کیا اس روٹ کے اوپر مختلف مقامات پر رک کر کمپنی کے ذمہ داروں کی طرف سے بس کا معائنہ کیا جاتا ہے اور ڈرائیورز کی جسمانی اور ذہنی کیفیت دریافت کی جاتی ہے؟

کیا اس روٹ پر تیز رفتاری پر کوئی قدغن ہے؟ اس کی حد کیا ہے اور کون اس پر نظر رکھتا ہے؟

اس روٹ پر سیفٹی کے لوازامات کو دیکھنا کس محکمہ کی ذمہ داری ہے؟

روڈ کی خستہ حالی، حفاظتی دیواروں اور جنگلوں کا نہ ہونا کس کی کوتاہی ہے؟

جن کے پیارے اور عزیز جاں بحق ہوتے ہیں کیا ان کے لئے معاوضہ کمپنی دیتی ہے؟

کیا مسافروں کا انشورنس ہوتا ہے؟

جو جواں سال لوگ اس روڈ پر سفر کے دوران حادثات میں جاں بحق ہوتے ہیں ان کے لواحقین اور بال بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کس کے سر پر ہوتی ہے؟

کیا ایسے حادثات کے بعد ٹرانسپورٹ کمپنی سمیت متعلقہ محکموں کے ذمہ داروں سے باز پرس کرنا ہی کافی ہے یا ان پر بھاری جرمانہ عائد کیا جائے اور سخت سے سخت سزا دی جائے تا کہ وہ ٹرانسپورٹ کے بنیادی اصولوں اور قوانین پر عملدرآمد کو یقینی بناسکیں؟

کیا گلگت بلتستان کو ملک کے دیگر حصوں سے ملانے والے دیگر آسان روٹس جن میں بابوسر کاغان ناران روڈ، استور سے کشمیر کا روڑ اور غذر چترال روڈ شامل ہے کی بروقت تکمیل اور ان کو آل ویدر کرنے سے ایسے حادثات کے امکانات کم نہیں ہوسکتے؟

کیا دنیا بھر میں روڈ حادثات کے بعد حکومتیں تعزیتی بیانات پر اکتفا کرتی ہیں یا ہر حادثے کے بعد کچھ سبق سیکھ کر اپنی پالیسیوں یا قوانین میں تبدیلی لاتی ہیں؟

ہمارے ہاں حکومتیں کب انسانی جانوں کی حفاظت کو اپنی اولین ذمہ داری سمجھیں گی؟

مدد چاہتی ہے یہ حوا کی بیٹی

طاہرہ حبیب

مَیں ہوں زرینہ۔ تونسہ سے متصل گاؤں میں پیدا ہونے والی زرینہ۔ جس نے غربت لیکن والدین کے لاڈ پیار میں آنکھ کھولی۔ مَیں پہاڑوں کی بیٹی زرینہ جسے اپنے گاؤں کی پگڈنڈیوں، اونچے درختوں اور بہتے پانی سے عشق تھا۔ سنا ہے مَیں کم سنی میں بھی ڈھولک سُر میں بجاتی تھی اور لفظوں کے معنی سے بے خبر گیت بہت میٹھے لحن میں گاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مَیں گاؤں کی ہر شادی میں مرکز نگاہ ہوا کرتی تھی۔ پہاڑوں پر سکھیوں کے ساتھ دوڑنا، چھپن چھپائی کھیلنا اور جھک کر چشمے پر بیٹھ کر پیاس بجھانا اور چشمے کے شفاف پانی پر اپنا عکس دیکھنا مجھے اب بھی یاد ہے۔ میرا باپ ایک غریب کسان ہے جو ہمیں تین وقت کا کھانا تو کھلا سکتا تھا لیکن سکول بھیجنے کے نہ تو اس کے پاس پیسے تھے اور نہ

> **اس واقعے کو چار سال گزر چکے ہیں۔ مَیں اب سترہ سال کی ہوں۔ ہر روز جینے اور مرنے کے عمل سے گزرتی ہوں لیکن اِس چنگل سے نجات کا میرے پاس کوئی راستہ نہیں۔ مَیں پہاڑوں کی بیٹی زرینہ ایک اور زرینہ کو جنم دے چکی ہوں اور دعا گو ہوں کہ کوئی معجزہ ہو اور میری بیٹی کو وہ سب نہ سہنا پڑے جو میں دن رات سہتی ہوں۔**

ہی ہمارے علاقے میں ایسا کوئی رواج تھا۔ مَیں اپنی چھوٹی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزار رہی تھی۔ 13 برس کی عمر میں جب مَیں نے سنِ بلوغت میں قدم رکھا تو گویا گھر میں ایک خاموش ہنگامہ بپا ہو گیا۔ میری ماں نے سراسیمہ نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے مجھ سے شادی اور اگلے گھر جانے کی گفتگو شروع کر دی۔ مجھے بتایا گیا کہ چند دنوں بعد قریب کے ایک گاؤں سے میری بارات آئے گی اور مجھے سادگی سے رخصت کر دیا جائے گا۔ مَیں جو گاؤں کی ہر شادی پر ڈھولک بجاتی اور سہاگ کے گیت گاتی تھی اُس کی اپنا شادی پر نہ ڈھولک رکھی جائے گی اور نہ گیت گائے جائیں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ 13 برس کی عمر میں میری شادی ایک 30 برس کے مرد سے کر دی گئی۔

سسرال میں مجھے 12 افراد کے لیے کھانا پکانے، برتن دھونے، کپڑے دھونے، اور گھر صاف کرنے کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ کاموں کی لمبی فہرست میں سے روزانہ کوئی نہ کوئی کام رہ جاتا تھا لہذا روزانہ شام کو پٹنا میرے معمول کا حصہ تھا۔ مَیں اپنی ماں کی لاڈلی زرینہ زیادہ عرصہ یہ دکھ اور مصائب نہ سہہ سکی اور گرمیوں کی ایک دوپہر پیدل اپنے والد کے گھر کی طرف چل پڑی۔ اگلے ہی دن میرے سسرال نے جرگہ بٹھا دیا جہاں مجھ پر

ہونے والے مظالم کا ذکر ہونے کی بجائے میرے بغیر اجازت کے خاوند کا گھر چھوڑنے پر فردِ جرم عائد کر دی گئی۔ اور جب میرے والدین نے طلاق کا مطالبہ کیا تو جرگے نے دو لاکھ کا جرمانہ (چٹی) ادا کرنے کا فیصلہ سنا دیا کیونکہ جرگہ کے ممبران کو یقین تھا کہ میرے والد یہ بھاری رقم کسی صورت ادا نہیں کر سکیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ جرگہ کے فیصلے کے مطابق چٹی کی ادائیگی نہ کرنے پر مجھے واپس اُسی سسرال کے گھر جانا تھا جو میرے لیے ایک جہنم سے کم نہیں تھا۔ جب مجھے واپس سسرال کے گھر روانہ کر دیا گیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میری آنے والی زندگی موت سے بدتر ہے لہذا مَیں نے موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ راستے میں ایک مضبوط درخت دیکھ کر مَیں نے اپنے ہی دوپٹے سے پھندا بنایا اور درخت کے ساتھ جھول گئی۔ لیکن میرے لیے جتنا مشکل زندہ رہنا تھا مرنا اس سے بھی مشکل ثابت ہوا۔ کچھ راہگیروں نے مجھے یہ سب کرتے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے بے ہوشی کی حالت میں مجھے ہسپتال اور پھر اُس کے بعد میرے سسرال پہنچا دیا۔ اس واقعے کو چار سال گزر چکے ہیں۔ مَیں اب سترہ سال کی ہوں۔ ہر روز جینے اور مرنے کے عمل سے گزرتی

> **سوال یہ ہے کہ مملکتِ خداد میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لاتعداد قوانین کی موجودگی میں کم سنی کی شادیاں، عورتوں پر ہر قسم کا تشدد، انصاف کے نام پر بے انصافی، غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل جیسے گھناؤنے جرائم کیسے ممکن ہیں؟ کیا ان قوانین کو صرف طاقِ نسیاں میں سجانے کے لیے بنایا گیا ہے؟ کیا کبھی ان قوانین کے اطلاق کے لیے کوئی سنجیدہ اقدامات بھی کیئے جائیں گے؟**

ہوں لیکن اِس چنگل سے نجات کا میرے پاس کوئی راستہ نہیں۔ مَیں پہاڑوں کی بیٹی زرینہ ایک اور زرینہ کو جنم دے چکی ہوں اور دعا گو ہوں کہ کوئی معجزہ ہو اور میری بیٹی کو وہ سب نہ سہنا پڑے جو میں دن رات سہتی ہوں۔ 17 سال کی عمر میں مَیں نے چار صدی کا سفر طے کر لیا اور نجانے کتنی صدیوں کا سفر ابھی باقی ہے۔

زرینہ کی داستانِ حیات تصدیق کرتی ہے کہ

☆ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کم سنی کی شادی آج بھی مروج ہے۔

☆ ایسے علاقے موجود ہیں جہاں جرگے کے فیصلے کو عدالت کے فیصلے پر فوقیت حاصل ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایسا بھی ایک علاقہ ہے جہاں عورت کو طلاق لینے پر حق مہر کی رقم نہیں ملتی بلکہ اسے ایک بھاری رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔

☆ پنجاب میں ایک وسیع علاقہ آج بھی قبائلی بیلٹ کہلاتا ہے جسے پنجاب پولیس کے دائرہ کار سے باہر رکھا گیا ہے۔

☆ یہاں برطانوی راج کی اپنے مفاد کے لیے بنائی گئی بارڈر ملٹری پولیس ایک متوازی نظام چلا رہی ہے۔

☆ عورتوں پر جسمانی، معاشی، جنسی تشدد کو علاقائی روایات کا نام دے کر جاری و ساری رکھا جا رہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ مملکتِ خداد میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لاتعداد قوانین کی موجودگی میں کم سنی کی شادیاں، عورتوں پر ہر قسم کا تشدد، انصاف کے نام پر بے انصافی، غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل جیسے گھناؤنے جرائم کیسے ممکن ہیں؟ کیا ان قوانین کو صرف طاقِ نسیاں میں سجانے کے لیے بنایا گیا ہے؟ کیا کبھی ان قوانین کے اطلاق کے لیے کوئی سنجیدہ اقدامات بھی کیئے جائیں گے؟ کیا یہ قوانین صرف بڑے شہروں کی تعلیم یافتہ اشرافیہ کے لیے بنائے جاتے ہیں جو پہلی ہی کسی حد تک عورتوں کے حقوق سے آشنا ہیں۔ کیا ریاست ان علاقوں پر خصوصی توجہ دینے کی پابند نہیں جہاں حوا کی بیٹی پدر سری کے مضبوط ظالمانہ نظام کا شکار ہے تاکہ ان علاقوں میں سماجی رویوں کو بدلنے کے لیے ذہن سازی کے پروگرام شروع کیئے جا سکیں اور عورتوں کی فلاح کے لیے بنائے گئے قوانین کے اطلاق کے لیے ان علاقوں کی سماجی حقیقت کے مطابق خصوصی اقدامات کیئے جائیں۔

اگر ریاست ان علاقوں پر خصوصی توجہ نہیں دے گی تو نجانے کتنی بچیاں، لڑکیاں، عورتیں زرینہ کی طرح زندگی ایک جبر مسلسل کی طرح کاٹنے پر مجبور رہیں گی۔

لاش بول رہی ہے

غنی پرواز

ایک لاش بول رہی ہے۔۔۔ اُس دن جب میں نے بازار میں کسی سے یہ انوکھی خبر سنی، تو بالکل یقین نہیں آیا۔ بات بھی یقین کرنے والی نہیں تھی۔ لاش کا بولنا انہونی سی بات تھی۔

آپ یہ کیسی بات کر رہے ہیں۔۔۔ بھلا لاش بھی کبھی بولتی ہے؟ میں نے حیرت کا اظہار کیا اور کہنے والے کی جانب بے اعتمادی سے دیکھا۔ خود جا کر دیکھیئے۔۔۔" کہنے والے نے خود اعتمادی سے کہا۔ کہاں ہے؟ یقین نہ کرنے کے باوجود دل میں ایک تجسس سا پیدا ہوا۔۔۔

کہاں ہے وہ لاش!؟" چلیئے۔۔۔ دکھاتا ہوں آپ کو۔۔۔"چلیئے۔۔"

وہ شخص مجھے بازار کے بیچوں بیچ ایک چھوٹے سے قبرستان میں لے گیا۔ جہاں لوگوں کے ایک جم غفیر نے ایک پرانی قبر کو گھیر رکھا تھا۔ لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے جب میں اُس قبر کے قریب پہنچا، تو اُس شخص کی بات سچ نکلی۔ وہاں ایک لاش ہڈیوں کے ڈھانچے کی شکل میں پڑی ہوئی تھی۔ اور اُس سے مسلسل ایک ہی آواز آ رہی تھی۔ میں پانچ سو سال پرانی لاش ہوں۔ مگر اب زندہ ہونا چاہتی ہوں۔ پوری طرح زندہ ہونا چاہتی ہوں۔۔۔"

سارے لوگ خاموش تماشائی بنے کھڑے تھے۔ کچھ دیر تک میں بھی انہی کی مانند خاموش تماشائی بنا رہا۔ لیکن زیادہ دیر تک میں خاموش نہ رہ سکا۔۔۔

تم چاہے کوئی بھی ہو، مگر مر چکے ہو۔ اور مرنے والے زندہ نہیں ہوا کرتے۔ "میں مرا نہیں، مار دیا گیا ہوں۔۔۔"

مرے ہو یا مار دیئے گئے ہو۔۔۔ ایک ہی بات ہے۔ تم دوبارہ زندہ تو نہیں ہو سکتے" آخر کیوں زندہ نہیں ہو سکتا؟"

''اس لئے کہ آج تک کوئی مرنے والا زندہ نہیں ہوا۔۔" کیا یہ بات تم یقین سے کہہ رہے ہو؟'' کیوں نہیں؟ کہنے کو تو میں نے کہہ دیا۔ لیکن پھر سوچ میں پڑ گیا۔۔۔

کیونکہ مجھے اپنے اس دعوے کی صداقت پر شک سا ہوا۔

کہ کیسے؟"

کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟

خیر، اگر مان بھی لیا جائے کہ تم زندہ ہو سکتے ہو۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے یہ بات تو میں نہیں جانتا۔ مگر جاننا ضرور چاہتا ہوں۔۔۔''

ہماری بحث بحثی کے دوران، میں نے محسوس کیا کہ اب لوگوں میں خاصی بے چینی پیدا ہوئی ہے۔ اور اُن میں سے کئی لوگ اپنی خاموشی توڑ دینا چاہتے ہیں۔ دھوتی پہنے ہوئے ایک ملا سر ہلاتا ہوا آگے بڑھا۔

مجھے لگتا ہے یہ شخص موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ سورہ یسٰین اس کا علاج ہوگا۔ اور وہ اس عقیدے کے ساتھ سورہ یسٰین پڑھنے لگا، کہ اُسے سُن کر، اُس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے گی۔۔۔ لیکن اُس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔۔۔ اُس کی آواز اُسی طرح برقرار رہی۔۔۔

ایسی ترکیبوں سے مجھے زندہ ہونے سے روکا نہیں جا سکتا۔۔۔"

ڈنڈا ہاتھ میں لئے ایک غصیلا پولیس والا آگے بڑھا۔

" شاید اسے کچھ ڈنڈوں کی ضرورت ہے۔۔۔ دیکھیئے ابھی اس کی موت کا سامان ہو جائے گا۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے پے در پے کئی ڈنڈے چلائے۔۔۔ لیکن اُن کا اثر اُلٹا ہوا۔۔۔ اور اُس کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔۔۔

اس قسم کی زیادتیاں بھلا میرا کیا بگاڑ سکتی ہیں؟''

جدید اسلحہ سے لیس ایک مغرور فوجی آگے بڑھا۔

اس کا آخری فیصلہ چند گولیاں کر لیں گی۔۔۔ ابھی، اسی وقت یہ دوسری دنیا کو سُدھارے گا۔۔۔ یہ کہ کر اُس نے بہت سی گولیاں برسائیں۔۔۔ لیکن اُن کا اثر اور زیادہ اُلٹا ہوا۔ اور اُس کی آواز بلند سے بلند تر ہو گئی۔۔۔

ایسے مظالم کا بھلا کیا نتیجہ نکل سکے گا؟''

ایک مستانہ شاعر دوستانہ جذبات کے ساتھ آگے بڑھا۔

''اسے زندہ ہونا چاہیے اور اس کے لئے اسے دوستی سے بھرپور کلام سُنانا ہوگا۔۔۔ پھر اُسے ایک خوبصورت نظم سنا ڈالی۔۔۔ جس سے اُس کے جسمانی اعضاء پھر سے اُبھرنے لگے۔

کیا کہنے دوستی کی خوراک کے۔۔۔ اُس نے خوشی کا اظہار کیا۔

ایک لا اُبالی افسانہ نگار محبت بھرے جذبات لئے آگے بڑھا۔

اسے بالکل زندہ ہونا چاہیے اور اس کے لئے اسے ایک محبت بھرا افسانہ سُنانا ہوگا۔۔۔ پھر اُسے ایک پُر لطف افسانہ سُنا ڈالا جس سے اس کی ہڈیوں کے ڈھانچہ میں بھونچال سا آ گیا۔ اُس کے تمام اعضاء تیزی سے بحال ہو گئے۔۔۔ اور وہ اپنے آپ کو مجتمع کر کے بیٹھ گیا۔

محبت کی غذا کا جواب نہیں! اس نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ماحول پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی۔

آخر میں ایک انقلابی سیاستدان مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

''اسے عملی زندگی گزارنی چاہیے اور اس کے لئے اسے علم وفکر کے ہتھیاروں سے لیس ہونا ہوگا۔۔۔" پھر اُس نے ایک پُر جوش اور پر مغز تقریر کی۔ جس سے اُس میں شعور و آگہی پیدا ہوئی۔ وہ پُر وقار انداز میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور پُر عزم لہجے میں کہنے لگا: مجھے اپنے حقوق چاہئیں۔۔۔ اور میں یہ حقوق مانگوں گا نہیں، بلکہ چھین لوں گا۔۔۔ کیونکہ مجھے اپنی پانچ سو سالہ محرومیوں کی مکمل تلافی کروانی ہے۔"

21 گھنٹوں کی طویل لوڈشیڈنگ

نوشکی ضلع نوشکی کے دیہی علاقوں میں گزشتہ دو ماہ سے 21 گھنٹوں کی طویل لوڈشیڈنگ کی وجہ سے دیہی علاقوں میں نظام زندگی مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔ 6 ماہ قبل بھی دیہی علاقوں میں 21 گھنٹوں کی طویل لوڈشیڈنگ کی وجہ سے بلوچستان کے زمین دار گندم، زیرہ اور دیگر فصلوں کی بوائی نہیں کر سکے تھے جس کی وجہ سے گندم اور دیگر زرعی اجناس کی پیداوار میں خاصی کمی ہو گئی ہے جبکہ دوسری طرف کیسکو حکام نے بجلی بلوں کو 6 ہزار سے 12 ہزار کر دیا ہے مگر بجلی کی فراہمی کا دورانیہ 6 گھنٹے کر دیا۔ دیہی علاقوں میں 21 گھنٹوں کی طویل لوڈشیڈنگ سے بلوچستان کے عوام تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اب موسم گرما بھی شروع ہو گیا ہے۔ مساجد میں وضو کے لیے بھی پانی کی عدم فراہمی سے نمازیوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بلوچستان میں روزگار کا واحد ذریعہ زراعت ہے۔ طویل لوڈشیڈنگ کی وجہ سے بلوچستان میں غربت اور بیروزگاری کی شرح میں خطرناک حد تک اضافے سے بلوچستان کے عوام کے مشکلات میں مزید اضافہ ہوگا۔ سوئی گیس بلوچستان کی پیداوار ہے لیکن 21 ویں صدی میں بھی بلوچستان کے دیہی علاقے گیس کی سہولت سے محروم ہیں۔ خواتین کو امور خانہ داری کے سلسلے میں جن مشکلات اور دشواریوں سے دو چار ہونا پڑ رہا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ان حالات میں بلوچستان کے عوام کے احساس محرومی میں مزید اضافہ ہوگا جو کسی طرح بھی ملک اور قوم کے مفاد میں بہتر ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلوچستان کا خطہ قدرتی وسائل سے مالا مال طویل ساحلی پٹی اور جغرافیائی اعتبار سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل خطہ ہونے کے باوجود بھی بلوچستان کے عوام 21 ویں صدی میں بھی ذرائع مواصلات، تعلیم، صحت، زراعت سمیت دیگر تمام شعبوں میں پستی اور پسماندگی سے دو چار ہیں۔ بلوچستان کے دیہی علاقوں میں 12 گھنٹے بجلی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے فوری احکامات صادر کیے جائیں۔ (محمد سعید بلوچ)

پاکستان میں سزائے موت کے قیدیوں کے حالات اوران پر تشدد کے خوفناک واقعات

عبدالباسط کا دردناک سفر اس وقت شروع ہوا جب اسے 2009 میں سنٹرل جیل، فیصل آباد منتقل کیے جانے سے پہلے ابتدائی طور پر ساہیوال جیل میں 18 ماہ قید رکھا گیا۔ 2010 میں سنٹرل جیل فیصل آباد میں سپرنٹنڈنٹ جیل کے مسلسل ظالمانہ سلوک کے خلاف ہنگامہ آرائی کے واقعات پیش آئے جس پر عبدالباسط سمیت کئی قیدیوں کو جیل کے سزا وارڈ تک محدود کردیا گیا۔ اس تعزیری قید کے اندر، عبدالباسط "ظالمانہ، غیرانسانی، اور ذلت آمیز سلوک" کا شکار ہو گیا اور اسے خوفناک حد تک غیر صحت مند حالات میں نا قابل بیان مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی آزمائش 29.07.2010 کو اپنے عروج پر پہنچ گئی جب اسے بالآخر سزا وارڈ سے نکالا گیا، وہ ایک پریشان کن ہفتے سے بے ہوش تھا۔ 01.08.2010 کو، اسے ڈی ایچ کیو ہسپتال، فیصل آباد لے جایا گیا، جسے "ایمرجنسی کیس" قرار دیا گیا۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ عبدالباسط کی حالت اس حد تک بگڑ چکی تھی کہ وہ مزید اپنے جسمانی افعال پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا، اس کے باوجود سینٹرل جیل فیصل آباد اور ہسپتال کے حکام نے اسے بنیادی نگہداشت فراہم کرنے جیسے کہ اس کے کپڑے بدلنے یا اس کی بیڑیاں اتارنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ اسے اس طرح سے نظرانداز کیے جانا پاکستان جیل رولز 1978 کے ضابطہ 650 (iv)2 اور منڈیلا رولز 3 کے ضابطہ 47 کی صریحاً خلاف ورزی کی۔ ڈی ایچ کیو ہسپتال میں قیام کے دوران عبدالباسط کو تپ دق (ٹی بی) گردن توڑ بخار کی تشخیص ہوئی۔ یہ ایک غیر معمولی خطرناک بیماری ہے جس کی خصوصیت دماغ یا ریڑھ کی ہڈی کے ارد گرد کی جھلی کا سوج جانا ہے۔ علاج نہ کیا جائے تو گردن توڑ بخار کی یہ شکل مستقل نقصان پہنچاتی ہے۔ افسوس کے ساتھ، عبدالباسط ڈی ایچ کیو ہسپتال منتقل ہونے سے پہلے مہینوں تک طبی امداد سے محروم رہا۔ اس تاخیر نے اسے بعدازاں پیراپلیجیا میں مبتلا کردیا جو ایک ایسی حالت ہے جس پر قابو پایا جا سکتا تھا۔

ستمبر 2010 میں، ڈی ایچ کیو ہسپتال سے اس کی رہائی کے بعد، سینٹرل جیل، فیصل آباد کے میڈیکل افسر نے یہ کہتے ہوئے عبدالباسط کو فوری طور پر ڈی ایچ کیو ہسپتال کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے پاس ریفر کردیا کہ اس کی صحت تیزی سے خراب ہو رہی ہے۔ یکم فروری 2011 کو لاہور ہائی کورٹ نے اس کی فوجداری اپیل کی سماعت کرتے ہوئے سینٹرل جیل فیصل آباد کے سپرنٹنڈنٹ کو ہدایت کی کہ وہ ایک میڈیکل بورڈ بلائے جو اس بات کا جائزہ لے کہ آیا عبدالباسط کا جیل میں علاج ہو سکتا ہے۔ بورڈ کی رپورٹ میں میڈیکل سپرنٹنڈنٹ نے قید کے دوران عبدالباسط کی صحت کو سنبھالنے میں شدید دشواری کا اعتراف کیا۔

امتیاز بی بی بمقابلہ محرر۔ عدالتی تشدد کے الزامات کے درمیان انصاف کا حصول

امتیاز بی بی بمقابلہ ایم او ایچ آر کا کیس سنٹرل جیل راولپنڈی

کے اندر مبینہ حراستی تشدد کے پس منظر میں انصاف کے لیے ایک زبردست جدوجہد کی عکاسی کرتا ہے۔ 15 ستمبر 2022 کو تشدد کا نشانہ بننے والے شہاب حسین کی والدہ محترمہ امتیاز بی بی نے معزز چیف جسٹس اسلام آباد ہائی کورٹ کے سامنے شکایت درج کرائی۔ شکایت میں جیل حکام کی جانب سے شہاب حسین پر کیے گئے شدید تشدد کا تفصیلی ذکر کیا گیا تھا۔ بعدازاں، 19 ستمبر 2022 کو معزز اسلام آباد ہائی کورٹ نے قانونی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے شکایت کورٹ پٹیشن نمبر 3512 / 2022 میں تبدیل کردیا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (پمز) میں کیے گئے طبی معائنے میں قیدی کے والدین کی شکایت میں بیان کردہ تشدد کے الزامات کی تصدیق ہوگئی۔ معائنہ کرنے والے ڈاکٹر نے قیدی کے جسم پر نشانات کو ممکنہ طور پر تشدد سے منسوب کیا۔ ان دعوؤں کے باوجود، سنٹرل جیل راولپنڈی کے سپرنٹنڈنٹ نے ابتدائی طور پر کسی بھی قسم کی بدسلوکی کی تردید کی۔

تاہم، مزید تفتیش کے بعد 22 ستمبر 2022 کو قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) کی جانب سے پیش کی گئی ایک ابتدائی رپورٹ میں سنٹرل جیل راولپنڈی کی انتظامیہ کی جانب سے اختیارات کے ناجائز استعمال اور قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک کی نشاندہی کی اور مزید تحقیقات کی ضرورت پر زور دیا۔

ابتدائی رپورٹ کے جواب میں، معزز اسلام آباد ہائی کورٹ نے 23 ستمبر 2022 کو این سی ایچ آر کو فوری طور پر تحقیقات مکمل کرنے اور ایک جامع حتمی رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کی۔ 24 ستمبر 2022 کو اسلام آباد ہائی کورٹ کے معزز چیف جسٹس نے اسلام آباد ہائی کورٹ کے تین معزز ججز، ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج (ایسٹ اینڈ ویسٹ) اسلام آباد، جناب ندیم اشرف (ممبر این سی ایچ آر پنجاب) جناب افضل لطیف (سیکرٹری وزارت انسانی حقوق) اور جناب فضل الرحمان (سپیشل سیکرٹری محکمہ داخلہ پنجاب) کے ہمراہ سنٹرل جیل راولپنڈی کا دورہ کیا۔ اس دورے کے دوران معزز چیف جسٹس نے کئی ایسے قیدیوں سے بات چیت کی جنہوں نے جیل حکام کی طرف سے تشدد اور غیر انسانی سلوک کے واقعات کے بارے میں بتایا۔

اس کے بعد، 24 اکتوبر 2022 کو این سی ایچ آر کی طرف سے پیش کی گئی حتمی تحقیقاتی رپورٹ نے سنگین الزامات کی توثیق کی۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ "35 قیدیوں نے اپنے بیانات ریکارڈ کرائے، 26 قیدیوں (74%) نے مبینہ طور پر تشدد اور مختلف قسم کے غیر انسانی اور توہین آمیز سلوک کا الزام لگایا ہے۔"

غلام عباس

علاج کے نام پر ایک پریشان کن آزمائش

مسٹر غلام عباس کا کیس ذہنی طور پر بیمار سزائے موت کے منتظر قیدیوں کے ساتھ سلوک کی ایک پریشان کن تصویر پیش کرتا ہے۔ مارچ 2021 سے، مسٹر غلام کو پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف مینٹل ہیلتھ (پی آئی ایم ایچ) میں رکھا گیا ہے۔ حیران کن طور پر، ان کی ذہنی حالت خراب ہونے کے باوجود، انہیں اسپتال میں ان کے کمرے کے باہر چار پولیس محافظ مسلسل موجود رہتے ہیں تاکہ وہ اسپتال میں موجود دیگر لوگوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ مسٹر غلام کی معذوری کے پیش نظر، وہ گارڈز یا ساتھی مریضوں کے لیے کوئی حقیقی خطرہ نہیں ہیں۔ اس کے باوجود، انہیں دن رات اپنے ٹخنوں پر زنجیروں کی غیر ضروری قید کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

39 سالہ ذہنی طور پر بیمار قیدی مسٹر غلام کو، جنہیں سخت نگرانی میں رکھا گیا ہے، بحالی اور علاج کی ضرورت ہے۔ تاہم، ان کی حالت سے قطع نظر، ان پر بیڑیوں کا اطلاق خواہ اس کی حالت کچھ بھی ہو، ظلم اور سنگدلی کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ پابندیاں کسی جائز مقصد کو پورا نہیں کرتیں، یہ صرف اس کی جسمانی تکلیف اور ذہنی پریشانی کو بڑھاتی ہیں۔

مزید برآں، یہ کارروائیاں "پاکستان جیل رولز 1978 کے ضابطہ "650 کے منافی ہیں، جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ایسے قیدیوں کو بیڑیاں نہیں لگائی جانی چاہئیں جو عمر، جسمانی کمزوری، یا سنگین بیماری کی وجہ سے جسمانی طور پر غیر موزوں ہوں، جیسا کہ سینئر میڈیکل آفیسر نے تعین کیا ہو۔ شدید طبی مسائل سے دوچار فرد پر اس طرح کی پابندیاں صرف اس کی ذہنی اور جسمانی صحت کو خراب کرتی ہیں، اور مسٹر غلام کو پی آئی ایم ایچ میں علاج کے دوران کبھی بھی بیڑیاں نہیں لگائی جانی چاہئیں تھیں۔

یہ کارروائیاں قیدیوں کے ساتھ سلوک سے متعلق اقوام متحدہ کے کم از کم معیاری ضوابط (منڈیلا رولز) کے "ضابطہ "47 کے بھی منافی ہیں، جو فطری طور پر توہین آمیز یا تکلیف دہ آلات کے استعمال پر سخت ممانعت کرتا ہے۔ اپنی سزائے موت کی حیثیت سے قطع نظر، مسٹر غلام کسی بھی دوسرے مریض کی طرح اسی پیشہ ورانہ معیارات اور مناسب علاج کے حقدار ہیں۔ مزید برآں، انسانی حقوق کے بین الاقوامی اصول، بشمول "انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ" (آرٹیکل 5) اور "تمام افراد کے تشدد اور ظالمانہ، غیرانسانی یا توہین آمیز سلوک یا سزا (سی آئی ڈی ٹی پی) سے تحفظ کا اعلامیہ" (آرٹیکل 2)، تشدد، ظالمانہ، غیرانسانی، اور ذلت آمیز سلوک یا سزا کی واضح طور پر مذمت کرتے ہوئے، تمام افراد کے لیے انسانی وقار اور احترام کو برقرار رکھنے کے لیے حکومتوں کی ذمہ داری پر زور دیتا ہے۔ مزید برآں، یو این سی آر پی ڈی کا آرٹیکل 15 ان ممنوعات کو تقویت دیتا ہے، معذور افراد کو ظالمانہ، غیرانسانی اور ذلت آمیز سلوک سے بچاتا ہے، اور حکومت کے فرض کو تقویت دیتا ہے کہ وہ مسٹر غلام کے ساتھ انتہائی وقار اور احترام کے ساتھ برتاؤ کرے۔

(بشکریہ: پاکستان میں سزائے موت
جے پی پی کے ذریعہ شائع کردہ ڈیتھ پینک کیپٹل)

ریڑھی بانوں کے حقوق کے تحفظ کے قانون 2023 کا جائزہ

سٹریٹ وینڈرز، جنہیں پاکستان میں ریڑھی بان کہا جاتا ہے، عالمی سطح پر شہری معیشتوں میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پاکستان میں ان کی آبادی تقریباً 10 لاکھ بتائی جاتی ہے، جو سالانہ تقریباً 900 بلین روپے کماتی ہے۔ یہ معیشت کافی حد تک غیر رسمی طور پر کام کرتی ہے۔ ریڑھی بانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کسی قسم کی قانون سازی نہیں کی گئی اور نہ ہی ریاست نے اس حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہیں۔ یہ معیشت صرف مقامی حکومتوں کے تحت کام کرتی ہے جو ریڑھی بانوں کو کام کے لیے لائسنس جاری کرتی ہیں۔

ریڑھی بانوں کی اکثریت کا تعلق کم آمدنی والے گھرانوں سے ہے، جن میں سے بہت سے لوگ بمشکل گزر بسر کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ دیہی علاقوں سے نقل مکانی کر کے آتے ہیں جو اکثر اپنے حقوق سے ناواقف ہوتے ہیں اور میونسپل کے عملے، پولیس اہلکاروں اور ان دکانداروں کے نیٹ ورک کے استحصال کا شکار رہتے ہیں جو بغیر لائسنس اور یہاں تک کہ لائسنس یافتہ دکانداروں سے غیر قانونی رقوم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ بلا روک ٹوک کام کر سکیں۔ مزید برآں، سپریم کورٹ کے 2018 کے فیصلے کے بعد جس میں تجاوزات کو ہٹانے کا حکم دیا گیا تھا، ہزاروں ریڑھی بان ان بازاروں اور گلیوں سے بے دخل ہو گئے جہاں وہ برسوں سے خدمات انجام دے رہے تھے۔

پاکستان میں ریڑھی بانوں کو معیشت کا لازمی جزو تسلیم کرنے اور ان کے روزگار کے تحفظ کے لیے مخصوص قانون کی واضح کمی ہے۔ ایک واضح قانونی فریم ورک جو اسٹریٹ وینڈرز کے حقوق اور متعلقہ ریگولیٹری اداروں کے اختیارات کے درمیان ایک توازن قائم کرتا ہے، اس لیے بھی ضروری ہے کہ میونسپل اہلکار ریڑھی بانوں کو قانون کے دائرے میں لانے کے لیے وسیع صوابدیدی طاقت کا استعمال کرتے ہیں، اس طاقت کا اکثر احتساب کے بغیر ناجائز استعمال کیا جاتا ہے۔ دکاندار اکثر شکایت کرتے ہیں کہ انہیں کام کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ وہ کریڈٹ تک رسائی کی کمی، ایذا رسانی، نقل مکانی، صوابدیدی انسداد تجاوزات مہمات، اور سرکاری حکام اور حریف کاروباروں کی طرف سے تشدد کا سامنا رہتا ہے۔

2021 میں، وفاقی غربت کے خاتمے اور سماجی تحفظ کے ڈویژن نے میٹروپولیٹن کارپوریشن اسلام آباد (MCI) اور دیگر شہری ایجنسیوں کے ساتھ مل کر 'احساس ریڑھی بان' کے نام سے ایک پائلٹ مہم شروع کی۔ اس پروگرام کا بنیادی مقصد ریڑھی بانوں کے لیے ایک معاون اور منظم ماحول قائم کرنا تھا۔ اگرچہ اس پروگرام کے تحت ریڑھیاں اور مالی معاونت فراہم کر کے ریڑھی بانوں کو باقاعدہ بنانے اور تحفظ فراہم کرنے میں مدد ملی، تاہم حکومت تبدیل ہونے کے بعد اس پروگرام کو چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان میں ریڑھی بانوں کی معیشت کو پائیدار تحفظ اور انہیں باقاعدہ بنانے کے لیے ایک ہمہ گیر قانون سازی کا فریم ورک ضروری ہے جس میں ایکٹ، قواعد، ضمنی قوانین اور پالیسیاں شامل ہوں۔

> **ریڑھی بانوں کی اکثریت کا تعلق کم آمدنی والے گھرانوں سے ہے، جن میں سے بہت سے لوگ بمشکل گزر بسر کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ دیہی علاقوں سے نقل مکانی کر کے آتے ہیں جو اکثر اپنے حقوق سے ناواقف ہوتے ہیں اور میونسپل کے عملے، پولیس اہلکاروں اور ان دکانداروں کے نیٹ ورک کے استحصال کا شکار رہتے ہیں جو بغیر لائسنس اور یہاں تک کہ لائسنس یافتہ دکانداروں سے غیر قانونی رقوم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ بلا روک ٹوک کام کر سکیں۔**

قانون کا دائرہ کار اور تجزیہ

ریڑھی بان لائیولی ہڈ پروٹیکشن ایکٹ 2023 اسلام آباد میں ریڑھی بانی کو باقاعدہ بنانے اور ریڑھی بانوں کے تحفظ کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ یہ بل اگست 2023 میں سینیٹ میں پیش کیا گیا تھا لیکن آج تک منظور نہیں ہو سکا۔ اگر یہ بل منظور ہو جاتا ہے تو یہ پاکستان میں پہلی قانون سازی ہو گی جو اسلام آباد میں ریڑھی بانی کی سرگرمیوں کے منظم طریقے سے انعقاد کے لیے ایک ٹھوس قانونی ڈھانچہ فراہم کرے گی۔ اس کے بعد صوبائی حکومتیں اپنے متعلقہ علاقائی دائرہ اختیار میں ریڑھی بانی کو قانونی شکل دینے کے لیے اس نظیر پر عمل کر سکتی ہیں۔

بحیثیت مجموعی، یہ بل ایک خوش آئند قدم ہے کیونکہ یہ اسٹریٹ اکانومی کو باضابطہ بنانے کی ضرورت اور ریڑھی بانی کو شہری معیشت کا ایک لازمی حصہ تسلیم کرتا ہے۔ تاہم، بل کا تفصیلی تجزیہ بتاتا ہے کہ اگر اسے نافذ کیا جاتا ہے تو بعض غیر مؤثر دفعات کی وجہ سے قانون کے مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہ بل 13 ابواب پر مشتمل ہے جس میں اسلام آباد میں ریڑھی بانی سے متعلق مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ بل کی اہم دفعات حسب ذیل ہیں:

ریڑھی بان سیکریٹریٹ

یہ بل متعلقہ وزارت کے تحت ایک ریڑھی بان سیکریٹریٹ کے قیام کا تقاضہ کرتا ہے جو اسلام آباد میں ریڑھی بانی سے متعلق حکومتی پالیسیوں کے نفاذ اور نگرانی کا ذمہ دار ہو۔ تاہم، اہم بات یہ ہے کہ بل کے متن میں متعلقہ وزارت کی وضاحت نہیں کی گئی۔ جب تک کہ بل کے پاس ہونے اور قانون کے نافذ ہونے کے بعد بل کے تحت طے شدہ قواعد میں اس کی وضاحت نہ کی جائے، یہ عمل درآمد میں تاخیر اور انتظامی سطح پر ابہام کا سبب بن سکتا ہے۔ اس بل میں سیکریٹریٹ کی ذمہ داریوں کا بھی خاکہ پیش کیا گیا ہے جس میں پالیسی کی تشکیل، سرویز کا انعقاد اور استعداد سازی کے لیے معاونت شامل ہے۔

ریڑھی بان یونٹ

یہ بل اسلام آباد لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2015 کے تحت قائم کردہ ایم سی آئی سے تقاضہ کرتا ہے کہ وہ اسلام آباد میں ریڑھی بانی سے متعلق حکومتی پالیسیوں کے نفاذ کے لیے ایک مخصوص ریڑھی بان یونٹ قائم کرے۔ اس یونٹ کی ذمہ داریوں میں سروے کی نگرانی، لائسنس جاری کرنا اور مالیاتی اداروں کے ساتھ ہم آہنگی شامل ہے۔

---

1 https://www.crux.pk/pakistani-street-vendors-pillars-of-the-economy/

2 https://pide.org.pk/research/street-vending-an-introduction-and-overview/

3 اگرچہ ایچ آر سی پی کا ماننا ہے کہ غربت ہمیشہ چائلڈ لیبر کا محرک ہے اور بہت سے بچے اسکول کے اوقات کے بعد بھی ریڑھی بانی میں مصروف رہتے ہیں، تاہم اس کا یہ مؤقف ہے کہ اس مرحلے پر کم عمر ریڑھی بانوں کے لیے کام کرنے کا ماحول اتنا محفوظ یا ترقی یافتہ نہیں ہے جتنا ہونا چاہئے۔ ریڑھی بانی بچوں کو ہراسانی، بدسلوکی اور استحصال کے خطرے سے دوچار کر دیتی ہے۔

ریڑھی بانی کے علاقوں کی زوننگ

اس بل میں زوننگ کے اصول طے کیے گئے ہیں جس میں ریڑھی بانی والے علاقوں اور وہ علاقے جہاں ریڑھی بانی ممنوع ہے کی علیحدگی، ریڑھیوں کی گنجائش کا تعین، اور ریڑھی بانی کے لیے مختص مقامات سے متعلق رہنما ہدایات شامل ہیں۔ یہ بل کیپٹل ڈیولپمنٹ اتھارٹی (سی ڈی اے) کو زوننگ پلان تیار کرنے کا بھی حکم دیتا ہے۔

شہری علاقوں اور ریڑھی بانوں کا سروے

یہ بل ریڑھی بانوں کے زوننگ پلان کی بنیاد پر شہری علاقے نامزد کرتا ہے۔ بل ایم سی آئی کو بھی اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ ہر شہر کے علاقے میں ریڑھی بانوں کا سروے کرے۔ یہ بل مقامی ریڑھی بانوں کی تنظیموں کی تشکیل کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

سرٹیفکیشن اور لائسنسنگ

اس بل میں ریڑھی بانی سے متعلق سٹیفکیٹ اور شناختی کارڈ کے اجراء کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اور فروخت اقسام کی جانے والی اشیاء کی وضاحت کی گئی ہے۔ ریڑھی بانی کے سٹیفکیٹ تین زمرہ بندیوں کے تحت جاری کیے جاسکتے ہیں: (الف۔ اسٹیشنری فروش، موبائل فروش اور کوئی اور زمرہ بندی جو کہ متعلقہ قواعد میں تجویز کی گئی ہو۔

بل کے سیکشن 9 میں کہا گیا ہے کہ 14 سال سے زیادہ عمر کے ہر ریڑھی بان کو ایم سی آئی کی جانب سے سروے کی تکمیل کی تاریخ سے 30 دن کے اندر ریڑھی بانی کا سٹیفکیٹ جاری کیا جائے گا۔ یہ شق بچوں کی تعلیم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ یہ کچھ والدین کو، خاص طور پر جن کا تعلق کم آمدنی والے گھرانوں سے ہے، اپنے بچوں کو ریڑھی بانی میں مشغول ہونے کی ترغیب دینے کے لیے قانونی تحفظ فراہم کرسکتی ہے، باوجود اس کے کہ ریاست کی آئینی ذمہ داری ہے کہ وہ پانچ سے 16 سال کی عمر کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے۔ اس طرح، اس آرٹیکل کو آئین کی خلاف ورزی کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

اس کے مطابق، بل میں 16 سے 18 سال کی عمر کے بچوں کے لیے لائسنس کی ایک خاص قسم کا انتظام کیا جانا چاہیے جس سے انھیں اسکول کے اوقات کے بعد ریڑھی بان کے طور پر کام کرنے کا حق ملے۔ اس کے علاوہ نفاذ کا ایک مؤثر طریقہ کار بھی تشکیل دینا ہوگا تاکہ یقینی بنایا جاسکے کہ اس طرح کے لائسنس کی شرائط کی خلاف ورزی نہ ہو اور یہ کہ سڑک کے چھوٹے دکانداروں کو بدسلوکی اور استحصال سے تحفظ حاصل ہو۔ بل میں ایسے لائسنسوں کو اسکول کی حاضری سے جوڑنے پر بھی غور کیا جاسکتا ہے اور اسکول جانے والے بچوں کے والدین کو مالی فوائد بھی دیے جاسکتے ہیں تاکہ ایک طرف وہ اپنے بچوں کی تعلیم کو جاری رکھ سکیں جبکہ دوسری طرف انہیں اسکول کے بعد محدود اوقات کے لیے کام کرنے کا بھی موقع ملے۔

بل میں یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ ریڑھی بانی کی فیس کا تعین ایم سی آئی کرے گا اور یہ کہ ریڑھی بانی کا سٹیفکیٹ پانچ سال کے لیے کارآمد ہوگا، جو لگاتار پانچ سال تک قابل تجدید ہوگا جس کا دارومدار تجدید کی فیس کی ادائیگی پر ہے۔

ریڑھی بانی لائسنس کے لیے درخواستیں

بل کے سیکشن 9 میں کہا گیا ہے کہ 14 سال سے زیادہ عمر کے ہر ریڑھی بان کو ایم سی آئی کی جانب سے سروے کی تکمیل کی تاریخ سے 30 دن کے اندر ریڑھی بانی کا سٹیفکیٹ جاری کیا جائے گا۔ یہ شق بچوں کی تعلیم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ یہ کچھ والدین کو، خاص طور پر جن کا تعلق کم آمدنی والے گھرانوں سے ہے، اپنے بچوں کو ریڑھی بانی میں مشغول ہونے کی ترغیب دینے کے لیے قانونی تحفظ فراہم کرسکتی ہے، باوجود اس کے کہ ریاست کی آئینی ذمہ داری ہے کہ وہ پانچ سے 16 سال کی عمر کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے۔ اس طرح، اس آرٹیکل کو آئین کی خلاف ورزی کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

بل میں ایم سی آئی کو دی گئی لائسنس کی درخواستوں کو نمٹانے کا طریقہ کار مقرر کیا گیا ہے۔ سیکشن 17 کے تحت، تمام درخواستیں 'مقررہ' طریقے سے جمع کرائی جائیں، گوکہ درخواستوں کی درست شکل یا طریقہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ ایکٹ کے تحت بنائے گئے قواعد میں مقررہ شکل بیان کی جائے گی۔

سماعت کا موقع

قابل ذکر بات یہ ہے کہ بل کے تحت درخواست داخل کرنے پر درخواست دہندگان کی سماعت صرف اسی صورت میں کی جائے گی جب ان کی درخواست مسترد ہونے والی ہو۔ اگر کسی درخواست کے منظور ہونے کا امکان ہو تو درخواست گزار کو سماعت کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔ بل کا سیکشن 17(4) کہتا ہے کہ:

'درخواست گزار کو کسی بھی درخواست کے مسترد ہونے سے پہلے سماعت کا مناسب موقع دیا جائے گا۔'

یہ شق مزدوروں کے حقوق کے نقطہ نظر سے متعلق ہے کیونکہ بل کی زبان مبہم ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ درخواست دہندگان کو اس وقت سنا جائے گا جب ان کی درخواست مسترد ہونے کا فیصلہ ہو جائے۔ اس طرح، سماعت محض ایک رسمی کارروائی بن کر رہ جاتی ہے اور درخواست کے نتائج پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

ریڑھی بانوں کے حقوق اور ذمہ داریاں

اگرچہ بل کا ایک اہم حصہ دفتری پیچیدگیاں مسلط کرتا ہے اور تین اہم سرکاری اداروں جیسے کہ متعلقہ وزارت، ایم سی آئی اور سی ڈی اے کے درمیان ہم آہنگی فراہم کرتا ہے، لیکن آٹھواں باب، جس کا عنوان 'ریڑھی بانوں کے حقوق اور ذمہ داریاں' ہے صرف چار سیکشنز پر مشتمل ہے، جس میں سے تین سیکشنز ریڑھی بانوں کی ذمہ داریوں کی نشاندہی کرتے ہیں، جیسے کہ صفائی اور شہری سہولیات کی دیکھ بھال کے لیے ان کی ذمہ داریاں، جب کہ صرف ایک حصہ ریڑھی بانی کی سرگرمیوں میں مشغول ہونے کے حق سے متعلق ہے۔ یہ ایک واضح خامی ہے کیونکہ قانون کا مقصد ریڑھی بانوں کے حقوق کا تحفظ ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ باب عام متن پر مشتمل ہونے کے بجائے بل کا مرکز ہونا چاہیے۔

سرکاری اہلکاروں کے فرائض اور ذمہ داریاں

بل کے متن میں سرکاری اہلکاروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کا بہت کم ذکر کیا گیا ہے، خاص طور پر نویں باب میں مذکورہ فرائض اور ذمہ داریوں کے تناظر میں۔ اس کے بجائے، باب مبہم انداز میں ریڑھی بانوں کے حقوق کی 'ترقی اور تحفظ' کا ذکر کرتے ہوئے ختم ہوجاتا ہے۔ ان حقوق کے تحفظ اور ان کی تکمیل کے لیے ریاستی اداروں کو ذمہ داری سونپنے کے معاملے کو دانستا طور پر ٹال دیا گیا ہے۔ اس سے اسلام آباد میں ریڑھی بانوں کے حقوق کو برقرار رکھنے کا ریاستی دعویٰ مشکوک ہوجاتا ہے۔

ریڑھی بانوں کی نقل مکانی اور بے دخلی

یہ بل ریڑھی بانوں کی نقل مکانی یا بے دخلی کے لیے رہنما ہدایات فراہم کرتا ہے، جس میں شفافیت اور پھیری والوں کے مفادات کے تحفظ پر زور دیا گیا ہے۔ خاص طور پر، بل کے دسویں باب کا سیکشن 23 حکومت کو پابند کرتا ہے کہ وہ ریڑھی بانوں کو کسی اور جگہ منتقل کرنے سے پہلے ان کے مفادات اور آراء کو ملحوظ خاطر رکھے۔ اس سیکشن کے تحت نقل مکانی کی جو وجوہات طے کی گئی ہیں وہ یہ ہیں: الف۔ ٹریفک میں خلل سے بچنے کے لیے، ب۔ کسی قدرتی آفت کی صورت میں جس کی وجہ سے ایک مخصوص وینڈنگ زون ریڑھی بانی کے لیے غیر موزوں ہو

سکتا ہو، یا ج۔عوام کے وسیع تر مفاد میں کوئی اسکیم۔

بل میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایم سی آئی ریڑھی بانوں کی ایسوسی ایشن کے ساتھ ایک میٹنگ بلائے گی تاکہ ریڑھی بانوں کو منتقل کرنے سے کم از کم 30 دن پہلے نقل مکانی کے منصوبوں پر تبادلہ خیال کیا جا سکے۔اگرچہ یہ سیکشن ظاہر کرتا ہے کہ ریڑھی بانوں کی آراء کو نقل مکانی اور بے دخلی کے منصوبوں میں شامل کرنے کی تھوڑی بہت کوشش کی گئی ہے، لیکن یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ تمام ریڑھی بان لازمی طور پر کسی انجمن کا حصہ ہوں گے، حالانکہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہو۔نہ ہی یہ بل ریڑھی بانوں کو جبری نقل مکانی سے تحفظ فراہم کرتا ہے، مثال کے طور پر جب امیر لوگوں کی آبادکاری کی خاطر کسی محلے میں ترقیاتی کام کرانا مقصود ہو۔

بل میں ریڑھی بانوں کی انجمن کی بجائے ایک متنوع کمیٹی کا انتظام ہونا چاہیے جو ان ریڑھی بانوں کے مفادات کو مدنظر رکھے جو کسی انجمن کا حصہ نہیں ہیں۔اس طرح کی کمیٹی میں سول سوسائٹی یا انسانی حقوق کی تنظیموں کے نمائندے بھی شامل کیے جا سکتے ہیں جو ریڑھی بانوں کے مفادات کا تحفظ یقینی بنا سکیں۔ایسی کمیٹی سے مشاورت اور اسٹریٹ وینڈرز کی حقیقی منتقلی کا درمیانی وقت بھی کمیٹی کے ساتھ مشاورت کی بنیاد پر 30 دن سے بڑھا کر زیادہ معقول مدت تک کیا جانا چاہیے۔

اسٹریٹ فروشوں کی ہراسانی کی روک تھام

سیکشن 26 کے تحت، سڑک پر دکانداروں کو ہراساں کرنے کی تعریف اور ممانعت کی گئی ہے۔تاہم، ہراساں کرنے کی تعریف متضاد ہے، اس طرح ہیرا پھیری اور بلیک میلنگ کے لیے خاص گنجائش پیدا ہوتی ہے۔اس سیکشن کے مطابق:

... اگر مقامی حکومت، پولیس یا کسی دوسرے ادارے کے کسی رکن، افسر یا ملازم بغیر کسی معقول وجہ کے، اس ایکٹ کے تحت کسی ریڑھی بان کو کسی بھی حقوق کا استعمال کرنے سے روکے، یا اس ایکٹ کے تحت متعین ذمہ داری کو انجام نہ دے، یا اس ایکٹ کے تحت دی گئی درخواست کو غلط طریقے سے مسترد کردے، یا جان بوجھ کر کسی درخواست کو مسترد کرنے کے لیے غلط، نامکمل یا گمراہ کن وجوہات فراہم کرے تو یہ ہراسانی کے مترادف ہوگا۔

'بغیر کسی معقول وجہ کے' کے جملے میں ابہام باعث تشویش ہے کیونکہ یہ ایذا رسانی کی تشریح کو تعصب، بدعنوانی اور بددیانتی سے مشروط کرتا ہے۔مزید برآں، کسی بھی حکومتی یا قانون نافذ کرنے والے ادارے کے لیے اپنے اقدامات کے دفاع میں 'معقول' وجہ، خواہ وہ من مانی کیوں نہ ہو، پیش کرنا مشکل نہیں ہے۔

سفارشات

کچھ سفارشات جو اس بل کو انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے زیادہ موثر بنائیں گی ذیل میں بیان کی گئی ہیں:

- قانون کو مقامی کمیٹیوں (ریہڑی بان یونٹ کے ذریعہ قائم کردہ) کا انتظام کرنا چاہئے جو یہ یقینی بنانے کی ذمہ دار ہوں کہ تمام بڑے فیصلے، بشمول ریڑھی بانی کے علاقوں کی حد بندی اور نقل مکانی سے متعلق اقدامات، ریڑھی بانوں کے حقوق کا احترام اور تحفظ کرتے ہوئے کئے جائیں، خاص طور پر ان کا عزت کے ساتھ روزگار کمانے اور فرد کی سلامتی کا حق۔ایسی کمیٹی کسی قسم کے کوالٹی کنٹرول بھی قائم کر سکتی ہے۔کمیٹی کے کم از کم 50 فیصد ارکان سول سوسائٹی اور مقامی حکومت کے نمائندوں کے علاوہ ریڑھی بانوں پر مشتمل ہونے چاہئیں۔

> **بل میں ریڑھی بانوں کی انجمن کی بجائے ایک متنوع کمیٹی کا انتظام ہونا چاہیے جو ان ریڑھی بانوں کے مفادات کو مدنظر رکھے جو کسی انجمن کا حصہ نہیں ہیں۔اس طرح کی کمیٹی میں سول سوسائٹی یا انسانی حقوق کی تنظیموں کے نمائندے بھی شامل کیے جا سکتے ہیں جو ریڑھی بانوں کے مفادات کا تحفظ یقینی بنا سکیں۔**

- عمر کی حد جس کے تحت ریڑھی بانی کے لائسنس دیے جاتے ہیں اس میں ترمیم کی جانی چاہیے تاکہ اس شق کو آئین کے ہم آہنگ کیا جا سکے۔خاص طور پر، 16 سے 18 سال کی عمر کے بچوں کے لیے لائسنس کی ایک خاص زمرہ بندی تشکیل دی جانی چاہئے، بجائے اس کے کہ 16 سال سے کم عمر کے ریڑھی بانوں کو لائسنس دیے جائیں۔
- درخواستوں کا فارمیٹ، جو ممکنہ طور پر بل کے ضوابط میں تجویز کیا جائے گا، زیادہ تر ریڑھی بانوں کی ناخواندگی اور مالی حالات کے پیش نظر سادہ رکھا جانا چاہیے۔درخواست کا ایک پیچیدہ طریقہ کار تنازعات کے حل کے لیے ایم سی آئی سے رجوع کرنے میں سنگین رکاوٹیں پیدا کر سکتا ہے۔
- سیکشن 17 (4) کو ختم کیا جائے تاکہ تمام درخواست دہندگان کو ان کی درخواستوں کے نمٹائے جانے سے پہلے، مزدوروں کے حقوق کے بین الاقوامی معیارات کے مطابق سماعت کا موقع فراہم کیا جا سکے۔
- ریڑھی بان سیکریٹریٹ، ریڑھی بان یونٹ یا دیگر پلیٹ فارمز میں خواتین کی نمائندگی کو یقینی بنانے کے لیے مخصوص دفعات کو بل میں شامل کیا جانا چاہیے۔
- ریڑھی بانوں کے حقوق کی واضح تعریف کے لیے آٹھویں باب کا دائرہ وسیع کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر ان کے کاروبار کے ذرائع میں اضافے سے متعلق سہولیات اور مواقع کے حوالے سے۔بل کے اس سیکشن میں خصوصی دفعات بھی شامل ہونی چاہئیں جس میں تنازعات اور لائسنس کی تنسیخ اور معطّلی کے معاملات میں مفت قانونی امداد فراہم کرنے کے لیے درکار فنڈز سے ریڑھی بانوں کی انجمنوں کو بااختیار بنانے سے متعلق دفعات شامل ہیں۔اس باب میں خواتین اور خواجہ سرا ریڑھی بانوں کے لیے صنفی حساسیت کے اقدامات کو متعارف کرانے کی دفعات بھی شامل کی جانی چاہئیں، جیسے کہ واش رومز اور ڈے کیئر کی سہولیات تک قریبی رسائی، اور کام کے مناسب ماحول کے دیگر معیارات جیسے کہ کوڑے کو ٹھکانے لگانے کا نظام۔
- سرکاری عہدیداروں کے فرائض کی وضاحت نویں باب میں واضح طور پر کی جانی چاہیے تاکہ ان حکام کو ریڑھی بانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے جوابدہ بنایا جا سکے جیسا کہ بل میں درج ہے۔
- کسی بھی ابہام کو دور کرنے کے لیے سیکشن 26 میں ترمیم کی جانی چاہیے جو ریاستی حکام کو 'معقول وجہ' کی بنیاد پر ریڑھی بانوں کو ہراساں کرنے کا جواز فراہم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔وہ وجوہات جن کی بنیاد پر ریاستی اہلکار مداخلت کر سکتے ہیں (مثال کے طور پر، کسی گلی فروش کو کسی اور جگہ منتقل کرنا) اس سیکشن میں واضح طور پر بیان کی جانی چاہئیں۔مزید برآں، پولیس اور دیگر حکام کی طرف سے ریڑھی بانوں کو ڈرانے اور ان کے سامان کو ضبط کرنے کی سختی سے ممانعت ہونی چاہئے اور خلاف ورزی پر سخت سزائیں دی جانی چاہئیں۔
- تعلیم کی کمی اور ریڑھی بانوں کے محدود مالی وسائل کے پیش نظر، تینوں حکومتی اداروں (متعلقہ وزارت، ایم سی آئی اور سی ڈی اے) کے درمیان تعاون سے متعلق دفتری معاملات کو آسان بنایا جائے اور اسے ون ونڈو آپریشن تک محدود کیا جائے تاکہ ریڑھی بانوں کو غیر ضروری تاخیر اور تکنیکی مسائل سے بچایا جا سکے۔

قلم آزاد

ترتیب وادارت: ادریس بابر

عشرہ// سڑک پر خون

بم پھٹا اور خون بہنے لگا
ہر سڑک پر جنون بہنے لگا
شبھ گھڑی ہے، یہی مہورت ہے
عصر کو خون کی ضرورت ہے
تیرے گھر میں سکون لازم ہے
میرے بچے کا خون لازم ہے
قطرہ خوں میں جو ستارہ ہے
صبح تازہ کا استعارہ ہے
شب کے سینے کا تیر ہے یہ خون
روشنی کی لکیر ہے یہ خون

(احمد شہریار)

پرومیتھس کو اغوا کر لیا گیا

اسے وہاں سے اٹھایا گیا جہاں سے دو چھوڑ کر تیسری سڑک
ایوانِ دستور کی طرف جاتی تھی، جاتی ہے، جاتی رہے گی
اس کی نظموں سے آگ کی مبینہ چنگاری برآمد کی گئی
مگر مہر بند بوری کا بر وقت بند و بست نہیں ہو سکا
شاہراہِ دستور کے لاؤڈ سپیکروں پر نشر کیا گیا کوئی بھی اعلان
ریت میں سر چھپانے کا بہتر متبادل نہیں قرار دیا جا سکتا
آزادی، انصاف اور ان سے ملتے جلتے الفاظ
اولمپس کے قانونِ بغاوت کی خاص الخاص شق میں درج ہیں
جسے زیوس نے سب سے چھپ کر خطِ مرموز میں تحریر کیا
اور جسے صرف پرومیتھس ننگی آنکھ سے پڑھ سکتا تھا

(نوازش ملک)

Bloody Senseless / بلڈی سینس لیس

کیا تمھیں اپنی آنکھوں سے گھن نہیں آتی؟ کہ تم دیکھتے ہو
تم دیکھتے ہو۔۔۔ بلکتے بچے، تڑپتی مائیں، تباہ گھروندے،
اجڑتی گودیں، یتیمی کا دکھ، قحط زدہ دل اور ننگی لاشیں
وہ پیٹ جو جانے کب سے روزے کی کیفیت میں
خدا سے صبر اور اجر کی دعائیں مانگ رہے ہیں
جو آگ کھاتے ہیں، آگ پیتے ہیں،
آگ میں جل کے مر رہے ہیں
تمھارے کانوں میں کوئی آواز گونجتی ہے؟
۔۔ مگر اگر ایسا ہے تو تم اتنے چپ سے کیوں ہو
یہ ایک سوداگروں کا ریوڑ ہے اور خدا ایک احساس ہے
جو کہ ان میں کہیں نہیں ہے
جو کٹ رہے ہیں وہ تو کٹیں گے ہی۔۔۔
میری مانو۔۔۔ یہ لمبی لمبی بخشیں بھی چھوڑو۔۔
یہ ہاتھ باندھے یسوع کے آگے، سجود میں
تم کیا مانگتے ہو کیا چاہتے ہوا ے سودے باز و
خدا تمھاری ان کھوکھلی نمازوں کا اور فاقوں کا کتنا دے گا؟

(سعدیہ سویرا)

ایک احترام بھرا دن

مکمل احترام کی خاطر
کسی کو وہاں تک پہنچنے کی
اجازت نہیں دی جا رہی
ہر لمحہ بڑھتے ہوئے جوشیلے،
عقیدت بھرے ہجوم کو
پُر سکون رکھنے میں ناکام
سینکڑوں سفید فام فوجی
اب خود بے حال ہیں
پُر امن شہر کے مشہور منیا سکوائر
پر ایک سیاہ فام قتل کر دیا گیا
لوگ تو صرف
قتل گاہ میں
پھول رکھنے آئے ہیں

(فاطمہ مہرو)

تعلیمی اداروں میں ایسے واقعات ناقابل قبول

عبدالستار

کچھ مذہبی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی صرف مذہبی مدارس میں ہی نہیں ہوتی تاہم ناقدین کے مطابق تعلیمی اداروں میں بچوں کی نفسیاتی و جسمانی سلامتی کو یقینی بنانے کے حوالے سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے چیئر پرسن اسد بٹ کا کہنا ہے کہ مدارس بچوں کے لیے ڈراؤنا خواب بن گئے ہیں، جہاں نہ صرف ان کو بری طرح مارا پیٹا جاتا ہے بلکہ ان کا جنسی استحصال بھی کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ پاکستان میں جنسی زیادتی کے الزامات کے تحت کئی مدارس کے مولویوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ان واقعات نے مدارس کے ماحول اور وہاں پڑھنے والے بچوں کے مستقبل کے حوالے سے پرانی بحث پھر تازہ کر دی ہے۔

پاکستان میں واقع سینتیس ہزار سے زیادہ مدارس میں پڑھنے والے بچوں کی مجموعی تعداد 30 لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ بہت سے بچے ان مدارس میں نہ صرف بے رحمانہ جسمانی تشدد کا سامنا کرتے ہیں بلکہ ان مدراس میں ہر سال جنسی زیادتی کے کئی واقعات بھی رپورٹ کیے جاتے ہیں، جن میں عموماً ملزمان آسانی سے بچ نکلتے ہیں۔

پاکستان میں مدارس کے نصاب اور اس کے انتظامات کو ریگولیٹ کرنے کے حوالے سے کئی مرتبہ کوششیں کی گئیں لیکن ہر مرتبہ مذہبی طبقات کے حوالے سے اس طرح کی اصلاحات کے خلاف شدید ردعمل آتا ہے۔

الزام عائد کیا جاتا ہے کہ مدارس میں جنسی جرائم کے واقعات پر مذہبی طبقات مبینہ طور پر مجرمانہ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور کچھ معاملات میں ملزمان کی نہ صرف پشت پناہی کرتے ہیں بلکہ ان کا بھرپور دفاع بھی کرتے ہیں۔

جنرل مشرف کے دور میں ملک میں رجسٹرڈ مدارس کی تعداد 36 ہزار سے زیادہ تھی، جس میں 18 ہزار سے زیادہ مدارس کا تعلق دیوبندی مکتبہ فکر سے تھا جبکہ دوسرے نمبر پہ بڑے مدارس کی تعداد بریلوی مکتب فکر کے لوگوں کی تھی۔

مدارس کی تعداد

مدارس کی تعداد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھ گئی ہے۔ اس تعداد کے حوالے سے وفاق المدارس کے سیکرٹری جنرل مولانا حنیف جالندھری نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، "ہمارے وفاق کے زیر انتظام 23 ہزار کے قریب مدارس ہیں، جس میں 30 لاکھ کے قریب طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور وفاق بھی معرض وجود میں آئے ہیں۔''

جامع نعیمیہ لاہور سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر راغب حسین نعیمی نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، "بریلوی مکتب فکر کے چار امتحانی بورڈ ہیں اور ان بورڈز سے تقریبا 15 ہزار مدارس وابستہ ہیں، جہاں پانچ لاکھ سے زائد طالب علم پڑھتے ہیں۔''

شیعہ مدارس کے نظام سے وابستہ لال حسین توحیدی کا کہنا ہے کہ شیعہ مکتبہ فکر کے تقریباً 600 کے قریب مدارس ہیں۔ اس کے علاوہ اہل حدیث مکتبہ فکر، ڈاکٹر طاہر القادری، کالعدم جماعت الدعوہ اور دوسری چھوٹی تنظیمیں بھی مدارس چلا رہی ہیں۔

مدارس کے بورڈز

پاکستان میں مدارس نے مختلف انتظامی بورڈز یا وفاق بنائے ہوئے ہیں، جس میں وفاق المدارس العربیہ، تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، وفاق المدارس سلفیہ اور وفاق المدارس الشیعہ شامل ہیں۔

مدارس میں بڑھتے ہوئے جنسی جرائم نے معاشرے کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے اور انسانی حقوق کے کارکنان خصوصا ان واقعات میں چراغ پا ہیں۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے چیئر پرسن اسد بٹ کا کہنا ہے کہ یہ مدارس بچوں کے لیے ڈراؤنا خواب بن گئے ہیں، جہاں نہ صرف ان کو بری طرح مارا پیٹا جاتا ہے بلکہ ان کا جنسی استحصال بھی کیا جاتا ہے۔

اسد بٹ نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، "مولویوں کا دباؤ اتنا ہوتا ہے کہ اس طرح کی جنسی جرائم کے ارتکاب کرنے والے آسانی سے چھوٹ جاتے ہیں۔''

اسد بٹ کے مطابق آج جس بچے کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، کل اسے بھی مدرسے میں پڑھانا ہے، "اس طرح کئی نسلیں برباد ہوں گی کیونکہ وہ بھی کسی سے انتقام لے گا۔ بہتر یہی ہے کہ والدین خود بچوں کو دین کی تعلیم دیں اور ان مدرسوں کو بند کیا جائے۔''

اسد بٹ نے مطالبہ کیا کہ حکومت ایسے جرائم میں ملوث لوگوں کو سخت سے سخت سزا دے، "مدارس کی مانیٹرنگ کو مزید سخت کیا جائے۔ سول سوسائٹی پہ مشتمل ایسی کمیٹیاں بنائی جائیں، جو ان مدارس کا کسی بھی وقت اچانک دورہ کریں۔ بچوں اور والدین سے انٹرویو کریں اور ایسے جرائم میں ملوث افراد کا ڈیٹا مرتب کیا جائے۔''

مذہبی طبقے کی خاموشی

کئی حلقوں میں یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ پاکستان کے مذہبی علماء عورت مارچ سے لے کر کسی اسپورٹس کے پروگرام تک پر اعتراض اور احتجاج کرتے ہیں لیکن جب اس طرح کے واقعات ہوتے ہیں تو وہ اس پر خاموش ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر راغب حسین نعیمی کا کہنا ہے کہ مدارس معاشرے سے کٹ کر کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ انہوں نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، "یہ صرف مدارس کا معاملہ نہیں ہے۔ پورے ملک میں تقریبا اس طرح کے واقعات ہوتے ہیں لیکن مدارس کو ٹارگٹ کیا جاتا ہے۔ میں خود ہاسٹل کی زندگی میں رہا ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ لاہور اور ملک کے دوسرے علاقوں کے ہاسٹلز میں کیا ہوتا ہے۔''

شیعہ نظام مدارس سے تعلق رکھنے والے توحیدی کا کہنا ہے کہ ان کے مدارس میں اس طرح کے واقعات رونما نہیں ہوئے۔ انہوں نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، "صرف پانچ سال پہلے ایک واقعہ ہوا تھا اور اس کے بعد مدرسہ بند کر دیا گیا تھا۔''

لال حسین توحیدی کے مطابق اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے بڑے پیمانے پر اخلاقی تربیت کی ضرورت ہے۔

ان واقعات کے بعد یہ بھی سوال اٹھائے جا رہے ہیں کہ کیا مدارس کے مختلف وفاقوں کو اس سلسلے میں آگے بڑھ کر کردار ادا نہیں کرنا چاہیے۔ اس حوالے سے مولانا حنیف جالندھری کہتے ہیں کہ وفاق کا دائرہ اختیار محدود ہے۔

حنیف جالندھری نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، "ہمارے ہاں کام بنیادی طور پہ امتحانات کا انعقاد کرانا ہے۔ اگر کوئی مدرسہ ہمیں اس طرح کے واقعے کے بارے میں بتاتا ہے یا ہمیں کسی حوالے سے پتہ چلتا ہے تو ہم اس کی پوری جانچ پڑتال کرتے ہیں اور اس مدرسے کا الحاق وفاق کے ساتھ ختم کر دیتے ہیں۔''

حنیف جالندھری کے مطابق اگر کوئی فرد یا مدرسے کے اسٹاف کا رکن ملوث ہو تو پھر مدرسے سے کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے استاد یا مدرسے کے اسٹاف ممبر کو نوکری سے فارغ کرے۔''

سزاؤں کی کم شرح

ان واقعات میں سزاؤں کی شرح کم ہوتی ہے۔ اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے ماہر قانون نثار شاہ کا کہنا ہے کہ کم سزا کی بڑی وجہ مولویوں کا اثر ورسوخ ہے۔

انہوں نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، "مولوی ایسے بچے کے گھر والوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیتے ہیں، جب کہ پولیس اور انتظامیہ کو احتجاج اور مظاہروں سے ڈراتے ہیں۔''

نثار شاہ کے مطابق اس کے علاوہ سائنسی طور پر ثبوت اکٹھے نہیں کیے جاتے، "اگر فوری طور پر ڈی این اے اور دوسرے سائنسی طریقے سے ثبوت اکٹھے کئے جائیں، تو یقیناً ایسے لوگوں کو سزائیں دی جا سکتی ہیں۔''

اسد بٹ کے مطابق ان واقعات میں معافی کو بالکل ختم کیا جائے، "ریاست ایسے مقدمات کو لڑنے کی خود ذمہ داری لے۔''

(بشکریہ ڈی ڈبلیو)

پی ڈی ایم اے کی ناقص کارکردگی

جمرود پی ڈی ایم اے کی کارکردگی ناقص ہے۔بارش سے متاثرہ گھرانے کوایک خیمہ دے کر جان خلاصی کی جاتی ہے، بارش سے متاثرہ خاندانوں کومعاوضہ کی رقم بھی نہیں دی جاتی ۔تفصیلات کے مطابق جمرود سے تعلق رکھنے والے چیئرمین حاجی عبدالمنان آفریدی نے ملک صلاح الدین کوکی خیل، حاجی شیرین اور دیگرمشران کے ہمراہ میڈیا کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ پی ڈی ایم اے کی کارکردگی صفر ہے کیونکہ وہ بارش سے متاثرہ چندگھرانوں کوایک ایک خیمہ دے کرجان خلاصی کرتے ہیں،متاثرہ خاندان کے دوتین کمرے گر چکے ہوتے ہیں اور پی ڈی ایم اے والے صرف ایک خیمہ دے کرفوٹوسیشن کرتے ہیں جبکہ پچھلے سال بارش سے متاثرہ خاندانوں کو تاحال معاوضہ کی رقم ادا نہیں کی گئی ہے۔بارش سے متاثرہ خاندانوں سے دارخوستیں جمع کرنے کا کہا جاتا ہے تاہم بعد میں انہیں رقم نہیں ملتی اور مختلف حیلے بہانے بنا کرجمع شدہ درخواستوں کومسترد کردیا جاتا ہے اور جن بعض گھرانوں کورقم ملتی ہے وہ بھی سفارشی ہوتے ہیں جبکہ متاثرہ خاندانوں کومکمل طور پر سائڈ لائن کیا جاتا ہے۔چیئرمین حاجی عبدالمنان آفریدی نے کہا کہ ڈی سی خیبر بھی اپنے دفتر تک محدود ہے اور پشاورخیبر ہاوس میں بیٹھ کرصرف برائے نام احکامات جاری کرتے ہیں اور ابھی تک خود جا کرفیلڈ میں نہ عوام کے مسائل معلوم کر سکے ہیں اور نہ ہی بارش سے ہونے والے نقصانات کا جائزہ لے سکے ہیں۔انہوں نے کہا کہ غریب عوام پررحم کیا جائے اور بارش سے جن متاثرہ خاندانوں نے درخواستیں جمع کی ہے ان کا صحیح سروے کرکے متاثرہ خاندانوں کوفوری رقم دی جائے۔

(منظور آفریدی)

فضائی آلودگی سے پاکستانیوں کی اوسط عمر میں 4 سال کی کمی

ایئر کوالٹی لائف انڈیکس کی حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں فضائی آلودگی میں اضافے سے شہریوں کی اوسط عمر 4 سال کم ہورہی ہے۔ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق یونیورسٹی آف شکاگو کے انرجی پالیسی انسٹی ٹیوٹ کی سالانہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ لاہور، شیخوپورہ، قصوراور پشاور جیسے شہروں میں رہنے والے لوگوں کی عمر 4 سال کم ہوسکتی ہے۔انڈیکس کے مطابق فضائی آلودگی پاکستان میں صحت کے لیے دوسرا سب سے اہم خطرہ ہے، تاہم بنیادی طور پر دل کی بیماریاں سب سے زیادہ خطرے کی علامت ہیں۔رپورٹ میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ آلودگی میں اضافے سے دماغی صحت کے کئی امراض بھی لاحق ہوسکتے ہیں جن میں انزائٹی اور ڈپریشن شامل ہیں۔عالمی سطح پر جنوبی ایشیا کو سب سے زیادہ سنگین نتائج کا سامنا ہے، بنگلا دیش، بھارت، نیپال، اور پاکستان (جو دنیا کی تقریباً 25 فیصد آبادی پر مشتمل ہیں) میں سب سے زیادہ آلودگی پائی جاتی ہے۔رپورٹ کے مطابق پاکستان کی پوری 22 کروڑ آبادی ان خطوں میں مقیم ہے جہاں فضائی آلودگی کی سالانہ اوسط عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کی مقرر کردہ حد سے زیادہ ہے۔یہ معیار تجویز کرتے ہیں کہ پارٹیکولیٹ میٹر (پی ایم) 2.5 کی سالانہ اوسط سطح پانچ مائیکروگرام فی کیوبک میٹر سے کم رہنی چاہیے، اس کے علاوہ 24 گھنٹے کی اوسط نمائش 15 مائیکروگرام فی کیوبک میٹر سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ملک کی تقریباً 98.3 فیصد آبادی ان علاقوں میں مقیم ہے جہاں سالانہ اوسطاً فضائی آلودگی پاکستان کے قومی فضائی معیار اور عالمی ادارہ صحت کی جانب سے طے کردہ فضائی آلودگی کی گائیڈ لائنز سے زیادہ ہے۔رپورٹ کے مطابق اگر آلودگی کی موجودہ سطح اسی طرح برقرار رہی تو پنجاب، اسلام آباداور خیبر پختونخوا میں رہنے والے افراد کی اوسط عمر میں تقریباً 3.7 سے 4.6 سال کی کمی واقع ہونے کا امکان ہے۔اس کے علاوہ 1998 سے 2021 تک پاکستان میں سالانہ اوسط ذرات کی آلودگی میں 49.9 فیصد اضافہ ہوا ہے، اس اضافے کے نتیجے میں شہریوں کی اوسط عمر میں 1.5 سال کی کمی واقع ہوئی ہے۔رپورٹ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اگر پاکستان نے ڈبلیو ایچ او کی طرف سے مقرر کردہ سفارشات پر عمل کیا تو ممکنہ طور پر کراچی کے شہریوں کی متوقع عمر میں 3 سال کا اضافہ ہوسکتا ہے، اسی طرح لاہور کے رہائشی افراد کی عمر میں 8 سال کا اضافہ ممکن ہے، اور اسلام آباد میں رہنے والے افراد کی متوقع عمر میں تقریباً پانچ سال تک اضافہ ہوسکتا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

عزیز بلوچ کی جبری گمشدگی کے خلاف احتجاجی دھرنا، شاہراہ بلاک

تربت عزیز بلوچ کی بازیابی کے لیے اس کے اہلِ خانہ نے ڈی بلوچ چوک پر دھرنا دے کر احتجاج کیا۔تربت، دشت، گوادر، پسنی، کراچی شاہراہ بلاک، گاڑیوں کی لمبی لمبی قطاریں لگ گئیں، مشتعل نوجوانوں نے شاہراہ کومختلف مقامات پر رکاوٹیں کھڑی کرکے بلاک کردیا۔عزیز بلوچ کی جبری گمشدگی کے خلاف ایم 8 ڈی بلوچ چوک پر احتجاجی دھرنا چوتھے روز بھی جاری، تربت دشت گوادر پسنی کراچی شاہراہ بلاک، گاڑیوں کی قطار لگ گئی، گزشتہ ہفتے لاپتہ کیے گئے عزیز بلوچ کی بازیابی کے لیے اہل خانہ نے ڈی بلوچ پوائنٹ (جدگال ڈن) پر ایم ایٹ شاہراہ کو بلاک کردیا، احتجاج کے چوتھے دن خواتین مظاہرین اور مشتعل نوجوانوں نے ماشاء اللہ ہوٹل (سرگوپ ڈن) تک شاہراہ کومختلف مقامات پر رکاوٹیں ڈال کر بلاک کردیا جس کے نتیجے میں تربت سے لوکل گاڑیوں سمیت گوادر، پسنی اور کراچی کے درمیان چلنے والی ٹریفک مکمل طور پر جام ہوگئی ہے، احتجاج میں شدت لاتے ہوئے عزیر بلوچ کے اہل خانہ نے مین شاہراہ کے ساتھ ساتھ ٹریفک کی روانی مکمل جام کرنے کے لیے تمام ایسے راستے بھی بلاک کردیئے جو پہاڑوں اور ندی نالوں کے اندر سے گزرتے ہیں، سڑکیں بلاک ہونے کے باعث سیکڑوں مسافر اور مال بردار گاڑیاں دونوں جانب پھنس کر رہ گئی ہیں۔

(نامہ نگار)

خزانہ آفس چمن عملہ کی کمی کا معاملہ

چمن بلوچستان کے ضلع چمن کے خزانہ آفس میں کئی دہائیوں سے DAO اور ADO کی پوسٹس خالی پڑی ہیں اور عملہ پورا نہیں ہے جس کی وجہ سے ان سے متعلق ملازمین کے ضروری کام تعطل کا شکار ہیں اور تمام ملازمین ذہنی کوفت میں مبتلا ہیں۔گورنمنٹ ٹیچر ایسوسی ایشن چمن کی نئے وزیر خزانہ اور سیکرٹری خزانہ سے پرزور اپیل ہے کہ چمن میں متذکرہ بالا DAO اور ADAO کی پوسٹس پر جلد از جلد تعیناتی کے احکامات جاری کرکے چمن کے ملازمین کا مسئلہ ہنگامی بنیادوں پر حل کریں۔

(محمد صدیق)

طوفانی بارشوں کے متاثرین کا مدد کا مطالبہ

نوشکی نوشکی میں طوفانی بارشوں اور سیلابی ریلوں نے تباہی مچادی۔ افغانستان کوئٹہ پشین چمن اور گردونواح میں موسلا دھارا بارشوں سے بورنالہ میں شدید طغیانی آنے سے پورا علاقہ جھل تھل ہوگیا۔ افغانستان سے آنے والے سیلابی ریلے کی وجہ سے پاک افغان بارڈر پر گڑانگ پل کے قریب سڑک بہہ جانے سے پاک افغان بارڈر پر واقع ایک درجن سے زائد دیہاتوں کا نوشکی سے دس دنوں تک رابطہ منقطع ہونے کی وجہ سے بارڈر پر واقع مذکورہ دیہاتوں کے ہزاروں باشندوں کو ایمرجنسی صورت میں انتہائی مشکلات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے کیونکہ بارڈر پر واقع مذکورہ دیہاتوں کے باشندوں کو 21ویں صدی میں بھی صحت اور بنیادی سہولیات میسر نہیں ہیں۔ دوسری جانب ان کے لیے اشیائے خورد نوش نوشکی سے لائی جاتی ہیں۔ طویل عرصہ تک رسد نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ دیہاتوں کے باشندوں کو اشیائے خورد کی قلت سے غذائی قلت اور بچوں کو دودھ کی عدم فراہمی سے پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اکثر بارشوں اور افغانستان سے سیلابی ریلے آنے کی وجہ سے مذکورہ دیہاتوں کا رابطہ منقطع ہوتا ہے، گڑانگ پل کو نئے سرے سے ڈیزائن کر کے تعمیر کرنے کے لیے ترجیحی بنیادوں پر پل اور سڑک کی تعمیر عمل میں لائی جائے۔ طوفانی بارشوں اور سیلابی ریلوں سے نوشکی ڈسٹرکٹ میں گندم، زیرہ، پیاز، پلزات اور انگور کے باغات کو نقصان پہنچا ہے۔ قاضی آباد میں حفاظتی بند ٹوٹنے سے چھ مکانات اور کچی دیواریں گر گئی ہیں۔ کلی شریف خان بادینی کلی صاحبزادہ سڑک سیلابی ریلے میں بہہ گئی جس کی وجہ سے مذکورہ دیہاتوں کے باشندوں کو آمدرفت میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور دیگر رابطہ سڑکیں بھی بری طرح متاثر ہوئی ہیں۔ پاک ایران قومی شاہراہ این 40 بھی بارشوں اور سیلابی ریلوں سے بری طرح متاثر ہونے کی وجہ مسافروں اور ٹرانسپورٹروں کو مشکلات اور وقت کے ضیاع کا سامنا ہے۔ ضلع نوشکی میں انفراسٹرکچر کو جزوی نقصان پہنچا ہے۔

(محمد سعید)

ڈکیتی اور اجتماعی جنسی تشدد کا واقعہ

اوکاڑہ دیپالپور میں تھانہ صدر کے علاقہ مخدوم پورہ جسوکی میں محنت کش غلام نبی اپنے گھر پر رات بارہ بجے اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ سو رہا تھا کہ تین نامعلوم ڈاکو اس کے گھر میں داخل ہو گئے۔ دوران ڈکیتی ڈاکوؤں نے اہلِ خانہ کو یرغمال بنا کر کمرے میں بند کر دیا اور اس کی بیوی صوبیہ کو دوسرے کمرے میں لے جا کر اجتماعی جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا اور بعد ازاں کپڑے و برتن لے کر فرار ہو گئے۔ واقعہ کی اطلاع پر پولیس کی بھاری نفری کے ہمرہ ڈی پی او اوکاڑہ منصور امان جائے وقوعہ پر پہنچے۔ فرانزک ٹیم نے شواہد اکٹھے کر لئے ہیں جبکہ ڈی پی او منصور امان کا کہنا ہے کہ افسوسناک واقعہ میں ملوث ملزمان کو تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ اس حوالے سے چھ مختلف ٹیمیں تشکیل دے دی گئی ہیں۔

(اصغر حسین حماد)

طوفانی بارشوں سے شدید تباہی

چمن ضلع چمن سمیت بلوچستان بھر میں طوفانی بارشوں سے ہزاروں افراد متاثر ہوئے ہیں۔ چمن میں حالیہ بارشوں سے تین خواتین اور دو بچے جاں بحق اور 16 زخمی ہو گئے ہیں۔ ابتدائی معلومات کے مطابق تمام معاملات زندگی مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں۔ بجلی، انٹرنیٹ اور دیگر سروسز معطل ہوئیں۔ کوژک ٹاپ سمیت متعدد بڑے راستے بند رہے چمن سمیت قلعہ عبداللہ اور دیگر علاقوں میں مقامی انتظامیہ اور پی ڈی ایم اے اور دیگر ادارے امدادی کارروائیوں میں مصروف رہے اور مختلف علاقوں کو بڑے پیمانے پر تباہی سے بچالیا۔ سینکڑوں گھروں میں پانی داخل ہوا جس نے درجنوں مکانات کی دیواریں گرادیں۔ ادھر ڈپٹی کمشنر چمن کی خصوصی ہدایات پر ضلعی انتظامیہ اور محکمہ پی ڈی ایم اے ضلع میں بارشوں کی غیر معمولی صورتحال سے نمٹنے کیلئے اور عوام کی جان و مال کی حفاظت کے لیے تمام دستیاب وسائل بروئے کار لا رہی ہے۔ اس وقت چمن میں طوفانی بارشوں کی وجہ سے روڈز اور بیشمار گھروں کو سخت نقصان پہنچا ہے اور اس وقت ڈی سی چمن پی ڈی ایم اے اور مختلف ٹیمیں ریسکیو آپریشن میں مصروف عمل ہیں اور مختلف علاقوں میں بارشوں سے متاثرہ گھروں اور خستہ حال مکانات کے افراد کو محفوظ مقامات پر منتقل کرنے کے لیے امدادی کارروائیوں کے لیے پی ڈی ایم اے کے اہلکاران لیویز فورس اور دیگر متعلقہ اداروں کے افسران اور اہلکاران ریسکیو آپریشن میں مصروف عمل ہیں۔

(محمد صدیق)

نوجوان کی تشدد زدہ نعش برآمد

شہید بے نظیر آباد شہید بےنظیر آباد کے نواحی علاقہ پولیس اسٹیشن کھڈر کی حدود سے تین روز قبل اچانک لاپتہ ہو جانے والے شخص کی تشدد زدہ بوری بند نعش پولیس نے برآمد کر لی ہے۔ مقتول 18 اپریل کی رات کھڈر بازار میں اپنی دوکان بند کر کے گھر کیلیے روانہ ہوا اور گھر پہنچنے سے پہلے ہی لاپتہ ہو گیا تھا۔ مقتول کے ورثاء نے پولیس اسٹیشن کھڈر میں اس کی گمشدگی سے متعلق اطلاع درج کرائی گئی جبکہ ورثا کی جانب سے نوجوان امام بخش خاصخیلی کو تلاش کرنے کا سلسلہ جاری رکھا گیا کہ 20 اور 21 اپریل کی درمیانی شب پولیس کو مبینہ طور پر سیم نالے سے تشدد زدہ بوری بند نعش ملی جسے امام بخش خاصخیلی کے طور پر شناخت کیا گیا اور ورثا کو اطلاع دی گئی۔ پولیس کے مطابق مقتول امام بخش پر بدترین تشدد کیا ہے اور اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مبینہ طور پر نعش کو بوری میں بند کر کے بھاری پتھر سے باندھ کر سیم نالے میں ڈبویا گیا تھا۔ ورثا نے شک کی بنا پر پولیس کو چند نام دیے ہیں جن کی فوری گرفتاری کیلیے ورثا نے نعش کو نواب شاہ پریس کلب کے سامنے سڑک پر رکھ کر دھرنا دیا اور مطالبہ کیا ہے کہ قاتلوں کو فوری گرفتار کیا جائے۔ احتجاجی مظاہرین میں خواتین اور بچے بھی کثیر تعداد میں موجود تھے جو آہ و بکا کے ساتھ قاتلوں کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مقتول نوجوان کے والد ہادی بخش خاصخیلی اور چچا قادر خاصخیلی نے احتجاج کرتے ہوئے الزام عائد کیا ہے کہ ہمارے نوجوان بیٹے کا ناحق خون کیا گیا ہے۔ ہمارے گاؤں کے رہائشی اصغر علی خاصخیلی، غلام سرور خاصخیلی اور انور خاصخیلی میرے بیٹے کے قتل میں ملوث ہیں۔ پولیس ملزمان کے خلاف نہ کاروائی کر رہی ہے اور نہ ہی مقدمہ درج کر رہی ہے۔ ہادی بخش کا کہنا تھا کہ میرے بیٹے کو بیہمانہ تشدد کر کے مارا گیا ہے۔ میرے بیٹے امام بخش کو ملزمان نے گلا دبا کر اسکی ایک آنکھ نکال کر اسے بوری میں بند کر کے اینٹیں ڈال کر سیم نالے میں پھینک دیا گیا۔ ہم پولیس کو ملزمان کا بتاتے رہے مگر کھڈر پولیس نے کوئی کاروائی نہیں کی۔ اس ضمن میں پولیس نے واضح طور پر کہا ہے کہ مقتول نوجوان کے کیس سے متعلق تفتیش جاری ہے اور قاتلوں کو جلد کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا اور ورثاء کے ساتھ انصاف ہوگا۔

(آصف البشر خان)

اراضی کے تنازعہ پر بچی قتل

اوکاڑہ منڈی احمد آباد کے نواحی موضع ہڑل گاؤں کے رہائشی ظفر جوئیہ اور اس کی 11 سالہ بیٹی مبین گھر پر موجود تھے کہ رات 8 بجے ملزمان عاطف اور امجد مسلح 12 بور بندوق سے مسلح ہو کر ظفر کے گھر داخل ہو گئے اور کہا کہ "آج آپ کو احاطہ پر جھگڑے کا سبق سیکھا تا ہوں"۔ اس دوران ملزم عاطف نے ظفر پر فائر کیا جو ظفر کو لگنے کی بجائے اس کی 11 سالہ بیٹی مبین کو آنکھ پر لگا جس سے وہ موقع پر ہلاک ہو گئی۔ ملزمان فرار ہو گئے۔ مقامی پولیس نے مقتولہ کے والد ظفر کی درخواست پر ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر لیا اور بعد ازاں دونوں ملزمان کو گرفتار کر لیا۔ ملزموں کے قبضے سے آلہ قتل بھی برآمد کر لیا گیا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

عورتیں

لڑکی کے مبینہ اغوا کاروں کی بجائے بے قصور افراد کی گرفتاری

ٹنڈومحمد خان ٹنڈو محمد خان کے بہرانی محلّہ کی رہائشی واگھری برادری کی رہائشی شریم تی نے پریس کلب پر احتجاج کرتے ہوئے الزام لگایا ہے کہ اس کی اغوا ہونے والی 14 سالا معصوم بچی نشاء کے اغوا کے مقدمہ میں ملزمان کو گرفتار کرنے کے بجائے پولیس نے وقوعہ کے گواہ اور شریمتی کے چچا کو گرفتار کرلیا ہے۔ پولیس نے گرفتار ہونے والوں پر جھوٹا مقدمہ درج کیا ہے اور لڑکی کے اغوا والے مقدمہ سے ہاتھ اٹھانے کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ اس نے الزام لگایا کہ اس میں سٹی پولیس اسٹیشن کا ایس ایچ او اور دو مین تھانے کی انچارج ملوث ہیں۔ شریمتی کا کہنا ہے کے اس کی بیٹی کو اغوا کرنے والا مین پوری کا ایک بڑا تاجر ملوث ہے اور سٹی پولیس اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

(محمد رمضان شورو)

خاتون کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا

اوکاڑہ دیپالپور کے محلّہ دلاور کوٹ کی 16 سالہ لڑکی نائلہ بی بی آبادی بھٹہ والی داخلی مرزا پور کے رہائشی محمد وسیم کے گھر کام کرتی تھی جبکہ نائلہ کے دیگر اہل خانہ لاہور محنت مزدوری کرتے تھے۔ ملزم محمد وسیم نے نائلہ بی بی کو بلیک میل کرکے اس کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کیے اور اسے جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہوگئی۔ ملزم محمد وسیم نے نائلہ بی بی کا حمل گرانے اور اپنے جرم کو چھپانے کیلئے اس کو حمل ضائع کرنے کی دوائی دی جس کے استعمال کے نتیجے میں نائلہ بی بی کی حالت غیر ہوگئی۔ ملزم چند روز قبل مقتولہ نائلہ بی بی کو تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال دیپالپور چھوڑ کر خود موقع سے فرار ہوگیا۔ اسپتال کے عملہ نے لڑکی کو ڈی ایچ کیو ہسپتال اوکاڑہ ریفر کردیا جہاں وہ انتقال کرگئی۔ پولیس تھانہ سٹی دیپالپور نے ملزم محمد وسیم کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے قتل اور زنا کا مقدمہ درج کر لیا ہے۔ تاہم ملزم ابھی تک فرار ہے۔

(اصغر حسین حماد)

خواتین کے حقِ تولیدی صحت کی خلاف ورزی اموات میں اضافے کا سبب

جنسی و تولیدی صحت کے لیے اقوام متحدہ کے ادارے (یو این ایف پی اے) نے کہا ہے کہ دوران زچگی نصف سے زیادہ قابل انسداد اموات ایسے ممالک میں ہوتی ہیں جو بحرانوں یا آفات کا شکار ہیں۔ جنسی و تولیدی صحت اور حقوق میں عدم مساوات پر قابو پانے کے بارے میں ادارے کی نئی رپورٹ کے مطابق نسل پرستی، جنسی تعصب اور دیگر طرح کی تفریق جنسی و تولیدی صحت کے مسائل کے حل میں رکاوٹ ہیں۔ افریقی خواتین میں دوران حمل و زچگی اموات کا امکان یورپی اور شمالی امریکی خواتین کے مقابلے میں 130 گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اگر غربت کا شکار خواتین اور لڑکیوں کا تعلق اقلیتی گروہوں سے ہو یا وہ جنگ زدہ علاقوں میں رہتی ہوں تو مناسب طبی نگہداشت کی عدم موجودگی میں ان کی قبل از وقت موت کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

روزانہ 800 ہلاکتیں

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جنسی و تولیدی صحت کے متعدد اہم شعبوں میں پیش رفت سست رو ہے۔ دنیا میں ایک چوتھائی خواتین اپنے ساتھی کو جنسی عمل سے انکار نہیں کر سکتیں اور تقریباً 10 فیصد کو مانع حمل ذرائع استعمال کرنے کا اختیار نہیں ہے جبکہ روزانہ 800 خواتین دوران زچگی انتقال کر جاتی ہیں۔ 2016 سے اب تک ان اعداد و شمار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

روزانہ ہونے والی ان قابل انسداد اموات میں تقریباً 500 ایسے ممالک میں سامنے آتی ہیں جنہیں انسانی بحران اور مسلح تنازعات درپیش ہیں۔ 'یو این ایف پی اے' کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر نتالیہ کینم کا کہنا ہے کہ دنیا نے خواتین کو دوران حمل و زچگی قابل انسداد اموات سے بچانے میں کوئی پیش رفت نہیں کی۔ یہ پہلا موقع ہے جب خواتین کے اپنے جسم پر اختیار کی صورتحال کے بارے میں اعداد و شمار جمع کیے گئے ہیں۔ جن ممالک میں یہ اعداد و شمار دستیاب ہیں ان میں سے 40 فیصد میں انتہائی پسماندہ خواتین کا یہ اختیار کمزور ہوا ہے۔

نسلی و طبقاتی عدم مساوات

رپورٹ کے مطابق مانع حمل، زچگی کی محفوظ خدمات، زچگی میں باوقار نگہداشت اور دیگر ضروری خدمات کے معاملے میں شمالی و جنوبی دنیا اور مشرقی و مغربی ممالک کے مابین واضح تفاوت پایا جاتا ہے۔ خوشحال ممالک میں بھی بہت سی جگہوں پر نسلی و طبقاتی بنیادوں پر خواتین کی جنسی و تولیدی صحت کی صورتحال ایک جیسی نہیں ہے۔ براعظم ہائے امریکہ میں افریقی پس منظر سے تعلق رکھنے والی خواتین میں دوران زچگی اموات کی شرح سفید فام خواتین کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ امریکہ میں یہ شرح قومی اوسط کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ریکارڈ کی گئی ہے۔ مقامی و نسلی اقلیتوں کو بھی حمل اور زچگی میں طبی خطرات کا سامنا دیگر کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، یورپ کے ملک البانیہ میں انتہائی غریب طبقات سے تعلق رکھنے والی 90 فیصد سے زیادہ روما خواتین کو طبی خدمات کے حصول میں سنگین مسائل کا سامنا ہے۔ ان کے مقابلے میں البانوی نسل کی خوشحال خواتین کی صرف پانچ فیصد تعداد کو ہی ایسے مسائل درپیش ہیں۔ علاوہ ازیں، جسمانی معذوری کا شکار خواتین کے خلاف صنفی بنیاد پر تشدد کا امکان بھی دس گنا زیادہ ہوتا ہے۔ متنوع جنسی رجحانات اور صنفی اظہار کے حامل افراد کو مخصوص طرح کے تشدد کا نشانہ بننے کے خدشات بھی دیگر کے مقابلے میں زیادہ ہوتے ہیں۔ انہیں طبی نگہداشت کے حصول میں بھی دوسروں سے کہیں زیادہ رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔

بہتری کے اشارے

رپورٹ کے مطابق، تین دہائیاں قبل پائیدار ترقی کے لیے ترجیحی ہدف بننے کے بعد جنسی و تولیدی صحت کے حوالے سے نمایاں بہتری بھی دیکھنے کو ملی ہے

'یو این ایف پی اے' کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر نتالیا کینم نے رپورٹ کے اجراء پر کہا ہے کہ اب ان چاہے حمل کی شرح میں تقریباً 20 فیصد تک کمی آ چکی ہے۔ اسی طرح، زچہ کی اموات کی شرح میں ایک تہائی کمی واقع ہوئی ہے اور 160 سے زیادہ ممالک میں گھریلو تشدد کے خلاف قوانین موجود ہیں۔

سرمایہ کاری کی ضرورت

رپورٹ میں لوگوں کی ضروریات پوری کرنے اور خواتین اور لڑکیوں کو اپنے مسائل کے حل کے اختراعی طریقوں سے کام لینے کے لیے مخصوص پروگرام شروع کرنے کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کم اور متوسط درجے کی آمدنی والے ممالک میں 2030 تک 79 ارب ڈالر خرچ کر کے 400 ملین اَن چاہے حمل روکے جاسکتے ہیں، 10 لاکھ زندگیوں کو تحفظ دیا جا سکتا ہے اور اس طرح 660 ارب ڈالر کے معاشی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

نتالیا کینم کا کہنا ہے کہ تولیدی صحت کے حقوق کو تحفظ دینے کی اہلیت کا حصول ایک اور بڑا مسئلہ ہے۔ درحقیقت یہ مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین اور ہر ایک کے تولیدہ حقوق کے داعی بنیں۔ (بشکریہ یو این خبرنامہ)

بچے

لاپتہ بچی کی نعش برآمد

نوشہروفیروز نوشہروفیروز کے نواحی علاقہ بھریاسٹی کی کلہوڑو کالونی سے تین روز قبل اچانک لاپتہ ہونے والی تین سالہ معصوم بچی کی لاش گندے پانی کے تالاب سے برآمد ہوئی ہے۔ لاش اسپتال منتقل کر دی گئی تھی۔ پولیس سے موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق، نواحی علاقہ بھریاسٹی کی کلہوڑو کالونی کے رہائشی فرزند کلہوڑو کی تین سالہ معصوم بیٹی کرن کلہوڑو گھر کے باہر کھیلتے ہوئے اچانک گم ہوگئی تھی جس کی تلاش تین روز سے جاری تھی۔ بچی کے اچانک لاپتہ ہونے کے خلاف اس کے ورثاء نے احتجاجی مظاہرہ بھی کیا اور بچی کے اغواء کا شک ظاہر کیا تھا۔ تین دن بعد قریبی گندے پانی کے تالاب میں بچی کی لاش تیرتی دیکھ کر اہل علاقہ نے پولیس کو اطلاع دی جس پر پولیس نے پہنچ کر لاش کو اسپتال منتقل کر دیا جہاں پر بچی کا طبی معائنہ کرایا گیا۔ ابتدائی رپورٹ کے مطابق لیڈی ڈاکٹر نے بتایا کہ بچی کے جسم پر تشدد یا جنسی زیادتی کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ تاہم مزید معلومات کے لئے بچی کے جسم سے بعض اجزاء حاصل کر لیے گئے ہیں جو جام شورو لیباٹری بھیجے جائیں گے۔

(الطاف حسین قاسمی)

کمسن بچوں پر وحشیانہ تشدد

اوکاڑہ معمولی تلخ کلامی پر کانی پور میں کمسن بچوں پر وحشیانہ تشدد۔ بچوں پر تشدد کی ویڈیو وائرل ہونے پر ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر (ڈی پی او) نے واقعے کا نوٹس لے لیا ہے۔ اوکاڑہ کے علاقے بصیر پور کے نواحی گاؤں کانی پور میں معمولی تلخ کلامی پر تین بااثر نوجوان افراد مولا بخش، معظم اور قدیر دو کم سن بچوں کو اغواء کر کے اپنے ڈیرہ پر لے گئے اور اُنہیں وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا۔ ملزمان تشدد کی ویڈیو بناتے رہے۔ ویڈیو وائرل ہونے پر بصیر پور پولیس نے اپنی مدعیت میں مقدمہ درج کر کے مرکزی ملزم معظم کو گرفتار کر لیا ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ دیگر ملزمان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ بچوں کی شناخت امین اور حفیظ کے نام سے ہوئی ہے۔

(اصغر حسین حماد)

لاہور ہائیکورٹ نے 2015 قصور ویڈیو اسکینڈل کے 2 مجرمان کو بری کر دیا

لاہور لاہور ہائی کورٹ نے 2015 کے قصور ویڈیو اسکینڈل کے 2 مجرمان کی عمر قید کے خلاف اپیلیں منظور کرتے ہوئے انہیں بری کر دیا۔ جسٹس شہرام سرور چوہدری کی سربراہی میں 2 رکنی بینچ نے اپیلوں پر فیصلہ سنایا۔ اس موقع پر مجرموں کی جانب سے عابد حسین کھچی ایڈووکیٹ عدالت میں پیش ہوئے، وکیل اپیل کنندہ نے مؤقف اپنایا کہ گواہوں کے بیانات میں تضاد کے باعث ملزمان کو بری کیا جائے۔ لاہور ہائی کورٹ نے قصور ویڈیو اسکینڈل میں عمر قید کی سزا پانے والے حسیم عامر اور فیضان مجید کی اپیلوں کو منظور کر لیا۔ یاد رہے کہ 13 دسمبر 2023 کو بھی لاہور ہائی کورٹ نے 2015 کے قصور ویڈیو اسکینڈل کے 3 مرکزی مجرمان کو بری کر دیا تھا۔ ڈان نیوز ڈاٹ ٹی وی سے بات کرتے ہوئے عابد حسین کھچی نے بتایا تھا کہ عدالت نے ان کے کلائنٹس کو رہا کر دیا ہے۔ وکیل نے کہا تھا کہ اس کیس کے 6 مرکزی ملزمان تھے، جن میں سے 3 کو پہلے چھوڑ دیا گیا تھا، اور باقی 3 کو آج رہا کیا گیا ہے۔ وکیل نے ملزمان کی رہائی کی وجوہات بتاتے ہوئے کہا تھا کہ ویڈیو کے فرانزک آڈٹ میں حکام جیل میں سزا کاٹنے والے مجرمان کو شناخت کرنے میں ناکام رہے۔ مزید برآں، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ ملزمان پر لاگو انسداد دہشت گردی ایکٹ کی بعض شقیں صحیح معنوں میں لاگو نہیں ہوتیں، اور میڈیکل رپورٹس پیش کردہ شواہد کی تصدیق نہیں کرتیں۔ واضح رہے کہ 13 فروری 2018 کو انسداد دہشت گردی کی عدالت نے قصور ویڈیو اسکینڈل کیس میں تین مجرمان کو عمر قید اور 3، 3 لاکھ روپے جرمانے کی سزائیں سنائی تھیں۔ لاہور کی انسداد دہشت گردی کی عدالت نمبر 4 میں قصور ویڈیو اسکینڈل کیس کی سماعت ہوئی تھی، جہاں عدالت نے جرم ثابت ہونے پر 3 مجرموں حسیم عامر، وسیم سندھی اور علیم آصف کو عمر قید اور فی کس 3 لاکھ روپے جرمانے کی سزا سنائی تھی۔ اس سے قبل 18 اپریل 2016 کو انسداد دہشت گردی کی عدالت نے قصور میں بچوں کے ساتھ بدفعلی اور زیادتی میں ملوث دو ملزمان کو عمر قید کی سزا سنائی تھی۔ عدالت نے مجرم حسیم عامر اور فیضان مجید کو 25، 25 سال قید کی سزا سنائی تھی۔ مذکورہ مجرموں کو تھانہ گنڈا سنگھ میں درج کی گئی ایف آئی آر نمبر 219/15 میں مجرم ثابت ہونے پر سزا سنائی گئی۔ خیال رہے کہ 2015 میں یہ رپورٹس منظر عام پر آئیں تھی کہ قصور سے پانچ کلومیٹر دور قائم حسین خان والا گاؤں کے 280 بچوں کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا تھا جبکہ اس دوران ان کی ویڈیو بھی بنائی گئی جبکہ ان بچوں کی عمریں 14 سال سے کم بتائی گئی تھیں۔ رپورٹس کے مطابق ان بچوں کے خاندانوں کو ویڈیو دکھا کر بلیک میل بھی کیا جاتا تھا اور ان کے بچوں کی ویڈیو منظر عام پر نہ لانے کے لیے لاکھوں روپے بھتہ طلب کیا جاتا تھا۔

(بشکریہ روزنامہ ڈان)

ہراساں کرنے پر مقدمہ درج، ملزم گرفتار

عمرکوٹ 01-04-2024 کو سامارو شہر کے قریبی گوٹھ محمد رمضان شیدی میں علی حسن قنبرانی نے ایک غریب رکشہ ڈرائیور ثناءاللہ قنبرانی کے گھر میں گھس کر اس کی بیوی کو ہراساں کیا۔ عورت کی طرف سے مدد کے لئے پکارنے پر مبینہ ملزم فرار ہوگیا۔ سامارو پولیس نے عورت کے شوہر ثناءاللہ کی درخواست پر علی حسن کے خلاف کیس درج کر کے اسے گرفتار کر لیا اور تفتیش شروع کر دی ہے۔

(نامہ نگار)

صحت

اسپتال عملے کی غفلت سے بچہ جاں بحق

خیبر لنڈی کوتل ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر اسپتال کے لیبر روم میں عملے کی مبینہ غفلت سے زچہ و بچہ جاں بحق، لیبر روم عملے نے لاپرواہی اور غفلت کا مظاہرہ کیا۔ مریضہ کی حالت تشویش ناک تھی مگر ایمبولینس کی عدم دستیابی سے اسے پشاور اسپتال بھی بروقت منتقل نہ کیا جا سکا۔ پولیس کو واقعہ کی رپورٹ کر دی گئی ہے۔ متاثرہ خاندان نے ذمہ داروں کے خلاف فوری کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ میڈیکل سپرنٹنڈنٹ (ایم ایس) ڈاکٹر ظفر علی خان کا کہنا ہے کہ بلڈ بینک کی عدم موجودگی کے باعث موجودہ عملے نے مریضہ کو پشاور ریفر کیا گیا۔ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر اسپتال لنڈی کوتل میں پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں متوفیہ کے ورثاء حاجی رحمان شینواری اور شمس الدین شینواری نے اسپتال انتظامیہ اور لیبر روم عملے کے خلاف رپورٹ جمع کرتے ہوئے موقف اختیار کیا ہے کہ زچہ بچہ کیس میں خاتون کو لنڈی کوتل اسپتال منتقل کیا۔ اس موقع پر لیبر روم عملے نے لاپرواہی اور غفلت کا مظاہرہ کیا۔ خاتون کو فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ موجود عملے نے خاتون کی سرجری ادھوری چھوڑ کر اسے پشاور منتقل کرنے کو کہا جس کے باعث اس کی حالت مزید تشویشناک ہوگئی۔ اسپتال میں ایمبولینس بھی دستیاب نہیں تھی جس کی وجہ سے مزید وقت ضائع ہوا۔ پھر مجبوراً پرائیویٹ ایمبولینس کا بندوبست کیا گیا۔ پشاور اسپتال پہنچے تو وہاں پر عملے نے کہا کہ مریضہ کا خون کافی زیادہ ضائع ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے اسے دل کا دورہ بھی پڑا ہے۔ انہوں نے کہا کہ لنڈی کوتل اسپتال کی غفلت اور بروقت طبی علاج نہ ہونے پر ماں اور بچہ دونوں زندگی کی بازی ہار گئے۔ انہوں نے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا کہ لنڈی کوتل اسپتال کے ذمہ دار عملے کے خلاف فوری اور سخت کارروائی عمل میں لائی جائے تاکہ آئندہ اس طرح کے واقعات پیش نہ آئیں اور قیمتی جانوں کا ضیاع نہ ہو۔ جب اسپتال کے ایم ایس ڈاکٹر ظفر علی خان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ موجود عملے نے کہا کہ خون بہہ رہا ہو تو اس وقت سرجری مناسب نہیں انہیں پشاور ریفر کیا گیا کیونکہ اسپتال میں بلڈ بینک نہیں ہے جس کے باعث مریضہ کو مجبوراً پشاور ریفر کرنا پڑا۔

(مسعود شاہ)

ہیپاٹائٹس سے روزانہ ہزاروں ہلاکتیں ہو رہی ہیں، ڈبلیو ایچ او

عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) نے بتایا ہے کہ دنیا میں وبائی ہیپاٹائٹس سے روزانہ 3,500 اموات ہو رہی ہیں اور یہ عالمی سطح پر سب سے زیادہ ہلاکتوں کا باعث بننے والا دوسرا بڑا متعدی مرض بن چکا ہے۔ ادارے کی جانب سے ہیپاٹائٹس کی تازہ ترین صورتحال پر جاری کردہ رپورٹ کے مطابق یہ بیماری ہر سال 13 لاکھ جانیں لیتی ہے اور اموات کی یہ شرح تپ دق سے ہونے والے جانی نقصان کے مساوی ہے۔ یہ رپورٹ پرتگال کے دارالحکومت لزبن میں آج شروع ہونے والی سہ روزہ 'عالمی زیابیطس کانفرنس' کے موقع پر جاری کی گئی ہے۔ اس موقع پر ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ٹیڈروز ایڈہانوم گیبریاسس نے کہا ہے کہ ہیپاٹائٹس کے پھیلاؤ کی صورتحال پریشان کن ہے۔ بیماری کی روک تھام کے لیے دنیا بھر میں ہونے والی پیش رفت کے باوجود اس سے ہونے والی اموات بڑھتی جا رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت کم لوگوں میں اس بیماری کی بروقت تشخیص ہو پاتی ہے اور تاحال اس کے علاج تک رسائی کی شرح بھی بہت کم ہے۔

ہیپاٹائٹس اور 2030 کا ہدف

ڈائریکٹر جنرل کا کہنا ہے کہ اگرچہ اب ہیپاٹائٹس کی تشخیص اور علاج کے بہتر ذرائع دستیاب ہیں اور اس کے لیے درکار ادویات اور طبی ساز و سامان کی قیمتوں میں بھی کمی آ رہی ہے، تاہم مطلوبہ نتائج کے حصول کی جانب پیش رفت تاحال سست رو ہے۔ ان حالات کے باوجود اگر فوری اقدامات کیے جائیں تو 2030 تک اس مرض کے خاتمے سے متعلق 'ڈبلیو ایچ او' کا ہدف قابل رسائی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ 'ڈبلیو ایچ او' ممالک کو اس بیماری پر باآسانی قابو پانے اور زندگیوں کو تحفظ دینے کے لیے ہر طرح کے تعاون پر تیار ہے۔

اموات میں اضافہ

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا بھر میں روزانہ ہیپاٹائٹس کے 6,000 نئے مریض سامنے آتے ہیں۔ 187 ممالک سے حاصل ہونے والی نئی معلومات کے مطابق 2019 میں وبائی ہیپاٹائٹس سے متاثر ہونے والے لوگوں کی تعداد 11 لاکھ تھی جو 2022 میں 13 لاکھ تک پہنچ گئی۔ ان میں 83 فیصد ہیپاٹائٹس بی اور 17 فیصد ہیپاٹائٹس سی سے متاثر ہوئے۔

'ڈبلیو ایچ او' کے تازہ ترین اندازوں کے مطابق، 2022 میں 25 کروڑ 40 لاکھ لوگوں کو ہیپاٹائٹس بی اور پانچ کروڑ کو ہیپاٹائٹس سی لاحق تھا۔ ان میں نصف لوگوں کی عمر 30 اور 54 سال کے درمیان جبکہ بچوں کی تعداد 12 فیصد تھی۔ صنفی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس بیماری سے متاثرہ 58 فیصد افراد مرد تھے۔

تشخیص اور علاج کا فقدان

وبائی ہیپاٹائٹس کی صورتحال ہر خطے میں ایک سی نہیں ہے۔ 'ڈبلیو ایچ او' کے افریقی ریجن میں 63 فیصد لوگ ہیپاٹائٹس بی سے متاثر ہوئے جبکہ خطے میں صرف 18 فیصد نومولود بچوں کو ہیپاٹائٹس بی سے بچاؤ کی ویکسین دی جا سکی۔ مغربی الکاہل خطے میں ہیپاٹائٹس بی سے ہونے والی اموات کی شرح 47 فیصد رہی اور جن لوگوں میں اس بیماری کی تشخیص ہوئی ان میں 23 فیصد کو ہی علاج میسر آ سکا جو کہ اموات میں کمی لانے کے لیے کافی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہیپاٹائٹس کی سستی ادویات دستیاب ہونے کے باوجود بہت سے ممالک کم قیمت پر بھی انہیں خریدنے میں ناکام ہیں۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ شدید نوعیت کے ہیپاٹائٹس بی میں مبتلا صرف 13 فیصد لوگوں میں ہی اس بیماری کی بروقت تشخیص ہو سکی اور 2022 کے آخر تک تقریباً تین فیصد یا 70 لاکھ لوگوں کو اس کا موثر علاج میسر آیا۔ پائیدار ترقی کے اہداف کے تحت 2030 تک دنیا میں ایسے 80 فیصد لوگوں کو اس بیماری کے علاج تک رسائی ہونی چاہیے۔

'ڈبلیو ایچ او' کی سفارشات

رپورٹ میں وبائی ہیپاٹائٹس کا پھیلاؤ روکنے اور 2030 تک اس مرض پر قابو کے لیے متعدد اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔ ان میں طبی معائنے اور تشخیص تک رسائی میں اضافے، ابتدائی درجے پر بیماری کی روک تھام کے اقدامات میں بہتری لانے اور علاج معالجے کی خدمات مساوی طور پر فراہم کرنے کی پالیسیاں تشکیل دینے سمیت متعدد اقدامات شامل ہیں۔ تاہم، ادارے کا کہنا ہے کہ اس معاملے میں مالی وسائل کی قلت درپیش ہے جس کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو رہے۔ سستے علاج اور طبی ذرائع کے حوالے سے آگاہی کا فقدان اور دیگر طبی ترجیحات کی موجودگی اس کی بڑی وجوہات ہیں۔ رپورٹ میں ممالک کو طبی خدمات کی فراہمی میں عدم مساوات پر قابو پانے اور علاج معالجے کے سستے ذرائع تک رسائی سے متعلق حکمت عملی تیار کرنے کے لیے بھی کہا گیا ہے۔ (بشکریہ یو این خبرنامہ)

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب،جبری گمشدگیوں،سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم،مالی معاونت،سیاسی پناہ،جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں،واٹس ایپ کر سکتے ہیں،ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
0321 341 4884 042 3584 5969,042 3586 4994 ایوان جمہور،107 ٹیپو بلاک،نیوگارڈن ٹاؤن،لاہور hrcp@hrcp-web.org complaints@hrcp-web.org	0315 111 6287, 0333 3046674 021 3563 7131, 021 3563 7132 یونٹ نمبر 08،فرسٹ فلور،اسٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (آئیلا کو ہاؤس)،عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی karachi@hrcp-web.org	0314 916 0661 - (091) 584 4253 مکان نمبر 43،گلشن اقبال ٹاؤن، نزد نائس ایجوکیشن سسٹم (کالج)،نزد ار باب روڈ سٹاپ مین یونیورسٹی روڈ،پشاور peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدر آباد
0333 561 6190 051 835 1095 آفس نمبر 1-B،فلور 2،بلاک 12-D (نزد پی ایس او پمپ)، G-8 مرکز،اسلام آباد islamabad@hrcp-web.org	0346 839 4466 081 282 7869 فلیٹ نمبر C-6،کبیر بلڈنگ ایم اے جناح روڈ،کوئٹہ quetta@hrcp-web.org	022 278 3688 022 272 0770 0310 339 2222 آفس نمبر 306،فائزہ آرکیڈ،صدر،حیدر آباد hydrabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
0300 632 5401 061 451 7217 2511/5A ابدالی کالونی، نزد بریٹین سکول،ملتان multan@hrcp-web.org	0344 5475553, 0355 4541088 آفس نمبر 9-8،رنگ یل پلازہ، جماعت خانہ روڈ،ذوالفقار آباد،جتیال،گلگت gilgit@hrcp-web.org	0323 234 2406 0852 413365 پرواز ہاؤس،پسنی روڈ، تربت،کیچ ghaniparwaz@hotmail.com

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِحق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ
یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذارسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ